نگار

قیمت ۸ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگار

رسالہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ تک شایع ہوتا ہے
رسالہ نہ پہونچنے کی صورت میں ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع ہونی چاہیے ورنہ رسالہ مفت نہ روانہ کیا جائیگا
سالانہ قیمت پانچ روپیہ ۔ ششماہی تین روپیہ
بیرون ہند سے آٹھ روپیہ سالانہ پیشگی مقرر ہے

جلد ۲۲ | فہرست مضامین نومبر ۱۹۳۲ء | شمارہ ۵

ملاحظات ــــــــ ۲
عریانی و عریانیات ــــــــ "دور نظر" ــــــــ ۹
سیزر اور کلیوپیٹرا ــــــــ محشر عابدی ــــــــ ۲۰
عزیز لکھنوی کی شاعری ــــــــ شاد صابری ــــــــ ۴۹
باب الاستفسار ــــــــ ۶۱
کیا عیسیٰ ہندوستان کی تامیل قوم سے تھے؟ ــــــــ حاجی داداجدہ والا ــــــــ ۶۷
تقابل حسن ــــ (نظم) ــــ حافظ غازی پوری ــــــــ ۷۱
رباعیات طالب ــــ (〃) ــــ طالب باغپتی ــــــــ ۷۴
نعرۂ سرمدی ــــ (〃) ــــ عدم ــــــــ ۷۵
جواب ــــ (〃) ــــ علی اختر (حیدرآباد دکن) ــــــــ ۷۶
میرا محبوب ــــ (〃) ــــ روشن صدیقی ــــــــ ۷۷
معلومات ــــــــ ۷۸
تذکرۂ معرکہ سخن ــــــــ عبدالباری آسی ــــــــ ۱۴۵ تا ۱۶۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد ۲۲	نومبر ۱۹۳۲ء	شمارہ ۵

ملاحظات

اگر آج ہماری قوم سے جوتہ سینے والے فنا ہو جائیں تو ہم کو کتنی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے اسی طرح اگر پارچہ باف، رنگریز، لوہار، سونار، بڑھئی، معمار وغیرہ معدوم ہو جائیں تو ہماری ضروریات زندگی کو کتنا سخت صدمہ پہونچے اور ان کو بھی جانے دیجئے صرف شاعروں کو لے لیجئے کہ اُن سے زیادہ بیکار جماعت بظاہر کوئی نظر نہیں آتی، لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوں تو ہماری بہت سی لطیف صحبتیں ختم ہو جائیں ـــــ مگر ـــــ خدا کے لئے کوئی بتائے کہ اگر آج روئے زمین سے اس جماعت کو فنا کر دیا جائے جو ہمارے مذہب و اخلاق کی ضامن بنی ہوئی ہے تو اس سے ملک و قوم کو کیا نقصان پہونچ سکتا ہے؟ ـــــ

ہر چیز کی اہمیت کا اندازہ اُس خدمت کے لحاظ سے متعین کیا جاتا ہے جو اُس سے اِس دنیا میں متعلق ہوتی ہے۔ پھر اگر وہ خدمت زیادہ اہم ہے تو اُس چیز کا وجود بھی اتنا ہی اہم سمجھا جاتا ہے اور اگر وہ چنداں اہم نہیں ہے تو اس کے وجود کی بھی

زیادہ پرواہ نہیں ہوتی، یہاں تک کہ اگر کوئی چیز بالکل بیکار ہے تو اُسے مٹ جانا چاہیئے۔

اچھا اب غور کیجئے کہ اس جماعت سے کیا خدمت متعلق ہے یا اُس سے دنیا کو کیا فائدہ پہونچ رہا ہو۔ انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں ایک وہ جس کا تعلق مادیات سے ہے اور دوسرا وہ جو اخلاقیات سے متعلق ہے۔ پھر یہ تو ظاہر ہے کہ مادی زندگی کا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ نہایت فخر و ناز کے ساتھ دنیا و کاروبار دنیا سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ رہی اخلاقی زندگی سو آج تک یہی نہیں متعین ہو سکا کہ وہ کس اخلاق کی تعلیم دے رہے ہیں۔ اور دنیا کا وہ کونسا اخلاق ہے جو انسان کو دنیا سے بیزاری کا درس دے سکتا ہے۔

اسلام کی گزشتہ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء اور شاہان اسلام مادیات و روحانیات یا دنیا و دین دونوں کے مرکز سمجھے جاتے تھے اور اسی لئے اسلام میں قدرتاً وہ اصول زندگی پیدا ہو گئے جو مذہب کو کاروبار دنیا اور ہنگامۂ حیات کے دوش بدوش لیجانے کے ضامن تھے اور یہی سبب تھا کہ اسلام کے عہد وسطےٰ میں جو یقیناً اس کا زریں دور تھا، ایک شخص کے لئے یہ متعین کرنا دشوار تھا کہ مسلمانوں کے اصول زندگی میں کس جگہ خط فاصل کھینچکر اُن کے دین کو دنیا سے ممیّز کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ انکا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، جاگنا سونا الغرض ان کا ہر دنیاوی عمل مذہب ہی کے لئے تھا جس طرح اُن کے تمام مذہبی اعمال دنیاوی ترقی کے روح رواں تھے۔ یہی وہ چیز تھی جس نے حکمراں جماعت اور علماء دین کے گروہ کو ایک شیرازہ سے وابستہ کر رکھا تھا اور اگر اتفاق سے کوئی قاضی یا مفتی، مولوی یا عالم حکومت کے مصالح کے خلاف کوئی فتویٰ دینے کی جرارت کرتا تھا تو اُسے قید و بند میں ڈالا جاتا تھا۔ ممکن ہے کوئی شخص اسے حکومت کی زیادتی یا سلطنت کا ظلم قرار دے، لیکن جہاں تک اصول سیاست کا تعلق ہے اس طرز عمل پر نکتہ چینی کی کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ بہرحال مدعا یہ ظاہر کرنا ہے کہ مسلمانوں کے عہد ترقی میں یہ جماعت کبھی آزاد و خود سر نہیں رکھی گئی اور ہمیشہ ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ حکومت کے مصالح، اور سیاست کی ضروریات کو سامنے رکھ کر اپنے احکام فقہی میں تبدیلی پیدا کرتے رہیں۔ پھر یہ تو یقیناً ہوا کہ جس چیز کو سلطنت کی مصلحت بتایا گیا وہ بارہا مستبدانہ خود غرضی ثابت ہوئی، لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی عالم دین نے اس خود غرضی کا احساس کر کے صدائے احتجاج بلند کی ہو اور اس کی زبان کو حرکت کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا ہو ـــــــ

پھر غور کیجئے کہ اگر مسلمانوں کی حکومت بدستور قائم رہتی، اور اگر بجائے عیسائی حکومتوں کے آج انھیں کی حکومت روئے زمین پر غالب ہوتی تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت جو حالت ہمارے یہاں کے علماء دین کی نظر آتی ہے، اس وقت بھی پائی جاتی۔ قیامت تک ممکن نہ تھا کہ وہ زمانہ کا ساتھ دینے سے احتراز کرتے اور ان کو زندہ و سلامت رہنے دیا جاتا۔ کیونکہ ایک پاپائے روم کے لئے تو یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی کلیسہ کی دنیا علیحدہ قائم کر کے کاروبار و عالم سے کوئی واسطہ نہ رکھے، لیکن مسلمانوں کے ذہن و دماغ سے کبھی یہ بات نہیں نکل سکتی کہ انکا مذہب ان کی دنیا سے علیحدہ کوئی چیز نہیں اور نہ کبھی۔

یہ بات اُن کی عقل میں آسکتی ہے کہ مذہب کے علاوہ ایک چیز قومیت و وطنیت اور بھی ہے جو غیر مذاہب والوں کو بھی اپنے میں شامل کرکے خالص دنیاوی تمدنی ترقی کے لئے زبردست مرکزیت پیدا کرسکتی ہے۔

العرض حکومت کی ترقی کے ساتھ ساتھ اگر کوئی مذہب چل سکتا ہے تو صرف اسی طرح کہ وہ ضروریات زمانہ کے لحاظ سے اپنے احکام و قوانین میں بھی تبدیلی پیدا کرے ورنہ اس کا فنا ہوجانا بالکل یقینی ہے۔ چنانچہ آج ترکی و ایران کے حالات کو سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ وہاں مذہب کی کیا حالت ہے اور علماء مذہب غریب کس بیچارگی و بے بسی کے عالم میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں جہاں نہ مسلمانوں کی حکومت ہے نہ اکثریت نہ ان میں علم ہے نہ واقفیت، مولوی جو چاہے سمجھا دے، جو بدعت جی میں آئے کرتا پھرے، لیکن ترکی و ایران میں تو جاکر کہدے کہ بنک میں روپیہ جمع کرنا حرام ہے۔

اب اتنا پڑھنے کے بعد آپ پھر ابتدائی سطور پر غور کیجئے اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ فرمائیے کہ اس جماعت سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہونچ رہا ہے یا اس کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ حکومت تو ہماری ہے نہیں کہ یہ حضرات اس کا ساتھ دیکر عوام پر سلطنت کے اقتدار کو قوی بنائیں اور اس کے عوض میں گرانقدر معاوضے حاصل کرتے رہیں۔ اور چونکہ یہ خون ان کے منھ لگ گیا ہے اس لئے وہ اپنی فطرت سے مجبور ہیں کہ خود اپنی ہی ذات کو دنیا و دین کا مرکز قرار دیکر عوام کو اپنی طرف بلائیں اور اس غرض کے لئے وہ سب کچھ جائز و ناجائز روا رکھیں جو ان کے اسلاف نے شاہان اسلام کے لئے روا رکھی تھیں۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ ایک مولوی کے تمام تعلیمات و نصائح مذہبی کا موضوع صرف مابعد الطبیعیات کی دنیا ہوتی ہے اور وہیں کے خوفناک تاریک مناظر سے ڈرا ڈرا کر وہ اپنی پرستش کرایا کرتا ہے، اسکو مطلق اس سے بحث نہیں کہ دنیا کہاں جارہی ہے، زمانہ کس رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے، جہل و تاریکی کس تیزی کر علم کی روشنی میں پیچھے ہٹ رہی ہے، وہ برابر یہی کہے جائیگا کہ جو کچھ میں کہتا ہوں اسی کو برحق جانو، اور زمین کو ہمیشہ چلتی اور ساکن سمجھتے رہو کیونکہ ہدیۂ سعیدیہ میں مولوی فضل حق خیرآبادی ایسا ہی لکھ گئے ہیں۔ وہ اس سے بالکل ناآشنا ہے کہ اس وقت کے اقتصادی مسائل ہم سے کیا چاہتے ہیں، وہ غریب اس سے مطلق آگاہ نہیں کہ ہندوستان کی سیاسیات کا مستقبل کیا ہے، مخلوط و غیر مخلوط انتخاب کس جانور کا نام ہے، فیڈریشن کس کھیت کی مولی ہے اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کیا بلا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ وہ اس جہل پر فخر بھی کرتا ہے اس نادانی پر نازاں بھی ہے اور کہتا ہے کہ اہل جنت تو ایسے ہی سیدھے سادھے بھولے بھالے لوگ ہوتے ہیں۔ درآنحالیکہ یہ جنت کی مخلوق جو ان معاملات میں اپنے آپ کو اس قدر نیک و بے خبر ظاہر کرنے پر فخر کرتی ہے، کتنی ہوشیار و باخبر ہے غریبوں کا روپیہ وصول کرنے میں اور جاہلوں کا گھر اجاڑ اجاڑ کر اپنا گھر بسانے میں۔ جس وقت یہ کسی مجمع میں وعظ فرماتے ہوتے ہیں تو ان کی صورت و حالت یونان کے اس جیوپیٹر دیوتا کی سی ہوتی ہے جس کے ایک ہاتھ میں دوزخ کے انگارے ہیں

اور دوسرے میں جنت کی گلفشانیاں اور وہ بالکل مالک و مختار ہیں خواہ چشم زدن میں دنیا کو جلاکر خاکستر کر دیں، خواہ بہ یک جنبش چشم دابرو ہر ہر ذرہ کو گل و گلزار بنا دیں - ان لوگوں کی اولین کوشش یہی ہوتی ہے کہ لوگوں کو دنیا و کسب دنیا کے خیال سے منحرف کر دیں - اور اس کے لئے وہ بالکل غلط توجیہ و تاویل کے ساتھ کلام مجید کی آیتیں بھی پڑھتے ہیں احادیث نبوی سے بھی استناد کرتے ہیں، اقوال ائمہ کبار بھی سناتے ہیں اور مثنوی مولانا روم کے اشعار بھی خاص لحن کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس تعلیم کا مقصود حقیقی سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ جب لوگ دولت کو حقیر سمجھنے لگیں گے تو نہایت آسانی سے اُن کے حوالہ کر دیں گے - اسی کے ساتھ وہ دوسری نفسیاتی ضرب یہ لگاتے ہیں کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں اور عہد سلف کے اولیاء کرام کے واقعات سنا کر اُن کے خوارق عادات اور کرامات کی داستانیں سنانے لگتے ہیں کہ انھوں نے کس طرح سیکڑوں سال کی غرق شدہ بارات کو دریا سے زندہ باہر نکال دیا، ایک شخص پر نگاہ ڈالتے ہی کیونکر اسکے دل کا تمام حال بتا دیا، کسی کے بھاگے ہوئے غلام کو کس طرح صرف ایک تعویذ لکھ کر واپس بلا دیا اور پھر آخر میں وہ سارے وعظ کی تان علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل پر توڑتا ہے اور احمق و جاہل مسلمانوں پر اپنی عظمت و بزرگی، اپنی غیر معمولی قوت روحانی اور اپنے محیر العقول کارناموں کا سکہ بٹھا کر آخر کار اُن کی جیبیں خالی کرا لیتا ہے ___ تمام دنیا کی قومیں اس اصول پر ترقی کر رہی ہیں کہ عقول انسانی کی تربیت کے لئے تمام موانع کو دور کر دینا چاہیے، لیکن یہ خرناتے ہیں کہ نہیں عقلی ترقی روحانی انحطاط ہے اور اب دنیا میں کوئی شخص سوچنے سمجھنے کا مجاز نہیں، جو ہونا تھا ہو چکا، جو کچھ سمجھ میں آسکتا تھا آگیا اور اسی علم و یقین یا ضلالت و گمراہی کو سامنے رکھ کر اپنا دائرہ عمل قائم کرتے ہیں - چنانچہ ان کی تصنیف و تالیف، تبلیغ و اصلاح پند و ہدایت سب اسی اصول کے ماتحت ہوتی ہے اور اس دائرہ سے ایک انچہ ادہر ادہر ہٹنا گوارا نہیں کرتے - اس وقت ہندوستان میں اس قسم کے ادارے جو معمولی یا ادنیٰ قسم کے ہیں ان کا تو خیر ذکر ہی کیا، آپ بڑے بڑے اداروں کو بھی اسی مرض میں مبتلا پائینگے اور انکی تگ و دو بھی اُسی تیلی کے بیل کی سی نظر آئے گی جس کی آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی ہے اور وہ ایک ہی دائرہ کے اندر چکر لگانے کو منزلیں طے کرنا باور کرتا ہے ..

ایک قوم کے اندر انقلاب کی ہمیشہ دو صورتیں ہوا کرتی ہیں، ایک یہ کہ اس قوم کے اندر حسن اتفاق سے بعض افراد صالح ایسے پیدا ہو جائیں جو قومی جمود کو دور کر دیں، یا پھر خود افراد قوم کے اندر کسی خارجی اثر سے ذہنی اضطراب پیدا ہو جائے - امر اول کی تو بظاہر کوئی اُمید ہندوستان میں نظر نہیں آتی لیکن دوسری صورت کے آثار ضرور رونما ہو چکے ہیں اور ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی ہے جو علماء دین کی تعلیمات کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھنے لگی ہے - لیکن چونکہ یہاں انسان کی ذہنی و عقلی آزادی کو گہوارہ ہی سے چھیننا شروع کر دیا جاتا ہے اور خدا جانے کتنے زمانہ سے نسلاً بعد نسلٍ اس پر عمل ہوتا چلا آرہا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ یہ عادت چھٹتے ہی چھٹتے چھٹے گی اور ہندوستان کا مسلمان مستقبل قریب میں کوئی اُمید اپنے لئے قائم نہیں کر سکتا علی الخصوص اس وقت جبکہ ملک

کی ایک بڑی قوم نہضت وارتقاء کی منزل میں تیزی سے گامزن نظر آرہی ہو اور وہ اس سے تقریباً بے نیاز ہوگئی ہو کہ کون ہمارا ساتھ دے رہا ہے اور کون نہیں۔ الغرض ہندوستان کا مسلمان اسوقت جن راہوں سے گزر رہا ہے وہ اس قدر دشوار گزار ہیں کہ اگر کوئی فوری انقلاب نہایت ہی شدید قسم کا ان میں رونما نہ ہوا تو ان کے نجات کی کوئی صورت نہیں اور ان کا بالکل وہی حشر ہوگا جو ہسپانیہ کے مسلمانوں کا ہوا کہ چند منہدم آثار تو ان کے باقی رہ گئے ہیں لیکن وہ خود کہیں نہیں پائے جاتے۔ ہندوستان کا مولوی یا عالم دین (جو بدقسمتی سے ہمارا قائد و رہنما، ہمارا محافظ و مصلح بنا ہوا ہے) دوزخ وجنت کی روایات بیان کرنے میں، رات دن لوگوں سے نمازیں پڑھوانے کی فکر میں تو بیشک منہمک نظر آتا ہے۔ لیکن وہ کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہیں کرتا کہ جس قوم سے وہ اپنے لئے لذائذ دنیوی حاصل کر رہا ہے اسکی اقتصادی حالت کیا ہے اور اس کا انحطاط کس حد تک پہونچ چکا ہے۔

میں کہتا ہوں، بہ آواز بلند کہتا ہوں اور بلاخوف تردید کہتا ہوں کہ یہ وقت اس بات کے دیکھنے کا نہیں ہے کہ مسلمان نماز پڑھتا ہے یا نہیں روزے رکھتا ہے یا نہیں، دوزخ وجنت کا قائل ہے یا نہیں بلکہ صرف یہ سوچنے کا ہے کہ مسلمان کے پاس کچھ کھانے کو بھی ہے یا نہیں۔ اگر علمائے دین ہمارے حقیقی بہی خواہ ہوتے اور ان کے دلوں میں ہمارا سچا درد ہوتا تو اس وقت تمام مواعظ مذہبی کو چھوڑ کر صرف اس پر غور کرتے کہ مسلمان اپنا پیٹ کس طرح بھریں، ان کے بچے بھوک کی تکلیف سے کیونکر محفوظ رہیں اور انکی عورتیں کس تدبیر سے اسباب ستر پوشی حاصل کرسکیں۔۔۔ آپ ایک مسلمان کو موٹر پر سوار، نفیس لباس پہنے ہوئے دیکھ کر اس کی خوشحالی و مسرت کا اندازہ نہ کیجئے بلکہ اس کے گھر میں جاکر دیکھئے کہ کیا حالت ہے اور اس کے دل میں سما کر معلوم کیجئے کہ وہ کس تکلیف و عذاب میں مبتلا ہے۔ پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہمارے اس قاید و رہنما کو ہمارے اس دینی و دنیوی رہبر کو کبھی اس کا خیال ہوا ہے کہ جس وقت وہ اپنے وسیع دسترخوان پر نفیس نفیس غذائیں کھانے میں مصروف رہتا ہے، ٹھیک اسی وقت اسکی پڑوس میں کتنے مسلمان ایسے ہیں جو بھوکے پیاسے پڑے ہوئے ہیں اور کتنے بچے ایسے ہیں جنکی مائیں اپنی خشک چھاتیوں سے ایک قطرہ دودھ کا ان کے منھ میں نہیں ٹپکا سکتیں۔ جسوقت وہ حریر و کمخواب، یا لکھنؤ کی باریک چکن اور ولائتی تہذیب کی اچکن پہن کر، پاؤں میں زرکار جوتی کو دیکھتا ہوا ایک ادائے معشوقانہ کے ساتھ موٹر پر سوار ہونے کے لئے گھر سے باہر نکلتا ہے۔ کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی اس کا خیال اس حقیقت کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس کی قوم کے کتنے افراد اس وقت جھلسا دینے والی دھوپ میں ننگے بدن، برہنہ پا پتھر توڑ رہے ہیں۔ کیا اس سے زیادہ دنیا میں کوئی بیغیرتی، بے حیائی اور بے شرمی ہوسکتی ہے کہ جو افراد فاقہ کرکرکے، اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کاٹ کر اس کے لئے یہ نعائم و لذائذ فراہم کرے انھیں کے درد دکھ کی طرف سے وہ یوں بے خبر و بے پرواہ رہے۔ ہر چند فرعون و نمرود کو گزرے ہوئے زمانہ گزر گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی اولاد اب تک دنیا میں باقی ہے اور اسی اخلاق سوز، و انسانیت شکن خصوصیات کے ساتھ باقی ہے۔ جو کسی وقت ان کے اسلاف میں پائی جاتی تھیں مگر صرف یہ ہے کہ ان پر عذاب نازل ہو چکا اور ان کے لئے ہنوز دست خدا ایں انتظار کر رہا ہے۔

لکھنوی علماء کے کسی مجمع میں ایک بار میں نے دریافت کیا کہ "فرمائیے اب کیا ارادہ ہے اور قومی فلاح و بہبود کے لئے کونسی عملی تحریک آپ کے پیش نظر ہے" ان میں سے ایک نے کہا کہ "ہاں عرصہ سے ہمارا خیال ہے کہ یہاں کے مسلم کلب کی حالت درست کی جائے اور

انسائیکلو پیڈیا کے قسم کی ایک کتاب اردو میں لکھی جائے"۔ یہ سنتے ہی میرے بدن میں آگ لگ گئی، میں نے کہا "قبلہ، اپنے جھونپڑے کو محل بنانے سے پہلے کیوں آپ اس کی آرائش و زینت کی فکر میں مبتلا ہیں، تمدن کی ترقی، جاہ و ثروت کے تنعم کے ساتھ یہ سب کچھ اپنے آپ ہو رہے گا، نہ جانے کتنے کلب قائم ہو جائیں گے، کتنی انسائیکلو پیڈیاں بن جائیں گی۔ اس وقت تو سوال جزحیات کا ہے، بقاء زندگی کا ہے، تن پوشی اور دفع گرسنگی کا ہے۔ اس لئے طریقۂ زکوٰۃ کو منظم کیجئے، قومی بیت المال کی طرح ڈالئے، گھر گھر جاکر دیکھئے کہ کون کس حال میں مبتلا ہے اور سب سے پہلے اس زخم کا علاج کیجئے جس نے ساری قوم کو مفلوج بنا رکھا ہے"۔ یہ سنکر فرمانے لگے "کہ ہاں، تحریک یہ بھی ضروری ہے اور انشاء اللہ الرحمان اس پر غور کریں گے"۔ لیکن آپ جانتے ہی ہیں کہ جب مولوی کسی بات کو انشاء اللہ سے شروع کرتا ہے تو اس کا انجام کیا ہوا کرتا ہے۔

یہی حال ان تمام اداروں کا جنھیں ہم مدرسہ و خانقاہ کہتے ہیں اور جہاں سے یہ زہریلے افعی نکل نکل کر ہندوستان کی تمام سلمان آبادی کو ڈس رہے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض ادارے ایسے ہیں جو صرف تصنیف و تالیف کے لئے وقف ہیں اور جن کے مدیروں کو فخر ہے کہ وہ دنیا میں بڑا کام کر رہے ہیں، مسلمانوں کی عظیم الشان خدمت انجام دے رہے ہیں، لیکن چونکہ انکی ذہنیتیں بھی اسی مسموم ماحول میں پیدا ہوئی ہیں، اس لئے ان کی جملہ تصانیف بالکل غیر ضروری، غیر اہم بلکہ ایک حد تک مضرت رساں ثابت ہوتی ہیں۔ یہ بڑی بڑی کتابیں تاریخ و جغرافیہ کی لکھ رہے ہیں۔ لیکن ان کی حقیقت داستان پارینہ دہرانے سے زیادہ کچھ نہیں، یہ فلسفہ و مذہب پر موٹی موٹی تالیفات پیش کر رہے ہیں، لیکن بالکل اُس اندھے کی طرح جس کا سہارا ایک لکڑی کے سوا کچھ نہ ہو۔ اول تو اُن کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ وقت اس قسم کی تصنیف و تالیف میں ضایع کرنے کا نہیں۔ بلکہ دوڑ کر اپنے آپ کو طوفان میں ڈالدینے اور ڈوبتے ہوؤں کو باہر نکالنے کا ہے، اور اگر یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے تو پھر کم از کم ایسے لٹریچر پیش کرنے کا ہے جو دوسروں میں یہ ولولہ پیدا کرے جس وقت کوئی قوم ترقی کرتی ہے تو علوم و فنون کا ذخیرہ وہ خود اپنے ساتھ لے آتی ہے اور ہر جگہ علمی ادارے قائم ہونے لگتے ہیں، لیکن جب اس میں انحطاط ہوتا ہے تو یہ ادارے خود بخود ضعیف ہونے لگتے ہیں اور ان کو کوئی قوت سنبھال نہیں سکتی۔ اس لئے جس رنگ کی تصانیف ہمارے یہاں کے بڑے بڑے مصنفین پیش کر رہے ہیں وہ وقت کے لحاظ سے بالکل لغو و بیکار ہیں اور ان سے ملک و قوم کا کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا، بلکہ مضرت کا اندیشہ ہے کیونکہ انکا موضوع اور ان کے اصول ترتیب وہی آزادی عقل و ضمیر کے چھیننے والے اور اندھی تقلید کو مضبوط کرنے والے ہیں جس نے مسلمانوں کو نکبت و ذلت کی اس منزل تک پہونچا دیا ہے۔

پھر جب حالات یہ ہیں تو سوال صرف یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے اور اپنی بقا و تحفظ کے لئے کیا تدابیر عمل میں لانا چاہئے۔ اس کا جواب نہایت آسان ہے اور آئندہ اشاعت میں ہم اس پر مفصل بحث کریں گے

نیاز

صفحہ ۱۹ پر جو اعلان جنوری سنہ ۱۹۳۳ء کے نگار کے متعلق شائع ہوا ہے اُسے منسوخ سمجھئے

جنوری سنہ ۳۳ء کا نگار کم از کم ۱۶۰ صفحات کا ہوگا اور وقف ہوگا صرف ایک موضوع کیلئے

جسے انگریزی میں (Sexuology) کہتے ہیں اور میں اُسکو "شہوانیات" کہتا ہوں عنوانات کی فہرست ذیل میں ملاحظہ ہو:۔

فحاشی کی تعریف ـــــ اس کے متعلق مختلف نظریے ـــــ فحاشی کی ابتدا ـــــ اس کے مختلف اسباب ۔ فحاشی علم الحیات کے نقطۂ نظر سے ـــــ اس کا اخلاقی پہلو ـــــ اس کا اثر تمدن پر ـــــ فحاشی وحشی اقوام میں ـــــ اس کے محرکات ـــــ مذہبی فحاشیاں ـــــ فحاشی کی قسمیں:۔

استلذاذ بالضد ـــــ استلذاذ بالمثل ـــــ استلذاذ بالنفس ـــــ استلذاذ مابوحوش ـــــ استلذاذ بالخیال، ان کے اسباب و نتائج اور تاریخی قدامت ۔

فحاشی عہد قدیم میں ـــــ عہد قدیم میں زن و مرد کے تعلقات ـــــ یونانیوں اور اہل روما کی فحاشیاں ـــــ ہندوستان قدیم کی فحاشی ـــــ فحاشی دیگر ممالک مشرق میں ـــــ فحاشی عہد وسطےٰ میں ـــــ فحاشی اور اثرات مسیحیت ـــــ فحاشی پر حالات مجلسی کا اثر ـــــ دور احیاء علوم و فنون اور فحاشی ـــــ تغیرات معاشی و صنعتی کا اثر فحاشی پر ـــــ دور حاضر میں یوروپ کی فحاشیاں ـــــ یوروپ کی ناجائز اولاد ـــــ دوشیزگان فرنگ ـــــ مختلف ملکوں کے قحبہ خانے ـــــ انسداد فحاشی کی تدابیر ـــــ نکاح کی ابتدا ـــــ وحدت ازدواج ـــــ اشتراک فی النسواں ـــــ نظام امتہالی ـــــ نظام بطریقی ـــــ اقسام ازدواج ـــــ طلاق و خلع کی صورتیں مختلف ممالک میں ـــــ اسقاط حمل ـــــ استقرار حمل مصنوعی ذرایع سے ـــــ فحاشی کا مستقبل ـــــ وغیرہ وغیرہ ـــــ اس قسم کے سیکڑوں عنوانات ہیں۔

الغرض یہ ایک مستقل کتاب ہوگی جس میں پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ ہر قسم کی تاریخی، علمی، نفسیاتی اور جنسی تحقیق پیش کی جائے گی۔

اڈیٹر ۔ نگار لکھنؤ

عریانی وعریانیات

تہذیب کے اس دور میں عریانی کی قدر و قیمت اور اس کے نفسیاتی اثرات، پر بحث کرنا جرات کا کام ہے۔ ہم میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس میں اتنی اخلاقی جرات ہو کہ اگر وہ برہنگی کو خلاف شرم نہ سمجھتا ہو تو اس رائے کا اظہار ہی کر دے چہ جائیکہ اس پر عمل کرنا۔

بہر حال یہاں برہنگی اور اس کے متعلقہ مسائل سے علمی بحث کی جا رہی ہے اور یہ بتایا جانا مقصود ہے کہ بچوں کو برہنگی سے کس حد تک مانوس کرنا چاہئے اور اسکے نفسیاتی اثرات کیا ہیں۔ اس مسئلہ پر مختلف زمانوں میں مختلف رائیں پائی گئی ہیں اور موجودہ زمانہ کے علماء تعلیمیات کے ذہن میں تو ایک عظیم الشان تغیر اس باب میں پیدا ہو گیا ہے یہ رائیں کیا تھیں اور یہ تغیر کیا ہے ان کے دلائل و وجوہ سے اس مضمون میں واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

یونانِ قدیم، اقوام عالم کا رہنما، علم کا آماج گاہ، فلسفہ و سائنس کا معلم اس مسئلہ کے متعلق واضح تعلیم دیتا ہے اسپارٹا اور یونان کے مختلف شہروں میں کسی زمانہ میں عورتیں برہنہ رقص کرتی تھیں اور بدنی ریاضتوں میں مشغول رہتی تھیں اور برہنہ مرد بھی وہاں موجود ہوتے تھے۔ فلاطون نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ریپبلک میں عریانی کے رواج کو پسند کیا ہے۔ اور جو لوگ اس کا استہزاء کرتے تھے ان کی رائے کو وہ "شجر علم کا کچا پھل" کہتا ہے عمر کی آخری منزل تک فلاطون نے اور مسائل میں بہت سی رائیں بدلیں لیکن اس مسئلہ میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا "قوانین" جو ان کے فلسفیانہ فکر کا آخری نتیجہ ہے اس میں بھی وہ اس رائے کی تائید کرتا ہے اور زندگی کے تمام کاموں میں مرد و زن کے تعاون کو ضروری سمجھتا ہے تاکہ خواہش نفسانی کی تیز دھار کند ہو جائے۔ اسی غرض سے وہ نوجوان مردوں اور عورتوں کے باہمی میل جول کو ضروری سمجھتا ہے۔ یہ اس ہستی کی رائیں ہیں جس نے فلسفہ و مذہب میں نظام "تصوریت" پیش کیا تھا اور اس سے زیادہ حیرت انگیز و شاندار نظام فکر انسان کی تخلیقی قوت نے پیدا ہی نہیں کیا۔

اہل روما کے نزدیک برہنگی و بے شرمی مترادف تھے، انھیں یونانیوں کی طرح برہنگی کے اخلاقی و اصلاحی اثرات کا ادراک نہ تھا ان کے یہاں عریانی اسٹیج کی حد تک محدود تھی اور عوام اس سے لطف اندوز ہوتے تھے فلورالیا میں تو لوگ اس کو اپنا حق سمجھتے تھے کہ ایکٹروں کو اسٹیج پر برہنہ ایکٹ کرتا دیکھیں لیکن یہاں کام کرنے والوں کے

لئے ان کے نزدیک سوائے حقارت کے اور کوئی تحفہ نہ تھا۔

یوں تو عیسائیت نے فلاطون کے بہت سے خیالات کو قبول کیا لیکن برہنگی کے متعلق فلاطون کی رائے اس کے نزدیک کسی طرح قابل قبول نہ تھی۔ کیونکہ عیسائیت نے مجنونانہ استبداد کے ساتھ حیوانی جذبات وخواہشات کے خلاف جنگ ... شروع کر دی تھی اور چونکہ ان خواہشات کا خارجی مظہر انسانی بدن ہے اس لئے ان کا نظریہ یہ تھا کہ خواہشات بُرے تو بدن بھی بُرا اور اس لئے بدن کو بھی مستور رکھنا چاہئے! حالانکہ ان کو سمجھنا چاہئے تھا کہ اس طرح بدن کو مستور رکھنا اور زیادہ خواہشات نفسانی پیدا کر دینے والا ہے۔

اس کے بعد ہر چند عیسائیت سارے یورپ پر مسلط ہو گئی تھی اور یونان کی "خواہش زندگی" یا "مسرت حیات" "گناہ"، "مرتاضیت" کے خیالات سے افسردہ ہو گئی تھی لیکن برہنگی کا قلع قمع پھر بھی نہ ہو سکا۔ مختلف رسوم میں اور مختلف مواقع پر لوگ کسی نہ کسی حد تک ضرور برہنہ نظر آتے تھے۔ پبلک حماموں میں مرد عورت برہنہ دکھائی دیتے تھے۔ اور بقول شلٹز اعلیٰ خاندان کی عورتیں ان حماموں میں بالکل برہنہ نہایا کرتی تھیں اور ان کے جسم پر سوائے ایک ہار اور ٹوپی کے کچھ نہ ہوا کرتا تھا، سولھویں صدی میں فرانس کی عورتیں اپنے عشاق کو نہاتے وقت بلا لیا کرتی تھیں۔ اعلیٰ خاندان کی عورتوں نے کمر تک برہنہ ہو کر اپنی تصویریں کھنچوائی ہیں چنانچہ شانتی لے میں اس قسم کی متعدد تصویریں مل سکتی ہیں۔

برہنگی کے خلاف تحریک کہیں انیسویں صدی میں آکر پوری کامیاب ہوتی ہے، اس صدی میں پبلک مقامات میں ہر طرح کی برہنگی بالکل منع کر دی گئی لیکن یہ واقعہ ہے کہ اب یہ تحریک کوئی مذہبی واخلاقی تحریک نہ رہ گئی تھی بلکہ محض رسمی چیز ہو گئی تھی، چنانچہ انیسوین صدی کا مرد جب کسی برہنہ عورت کو دیکھتا تو یہ نہیں سمجھتا تھا کہ اسکی غیر فانی روح اب نجات ابدی کی مستحق نہیں رہی یا یہ کہ ان کے اخلاق گندہ ہو گئے یا کفارہ اس پر لازم ہو گیا۔ بلکہ وہ اس نظارہ کو محض "ناشائستہ" یا زیادہ سے زیادہ "قابل نفرت" سمجھتا تھا۔ یا بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ وہ عریانی کو عواید رسمیہ یا زیادہ سے زیادہ ذوق جمالیات کے خلاف سمجھتا تھا۔

رفتہ رفتہ اسی صدی میں برہنگی کے متعلق نئے خیالات کی ابتدا ہوئی اور جسم انسانی کو روحانیت کے نقطۂ نظر سے دیکھا جانے لگا۔ بلیک نے انگلستان میں اپنی صوفیانہ تعلیم کی اشاعت شروع کی جس میں انسانی جسم کی روحانی شان کا اظہار تھا اور لباس کی طرف سے بیزاری وحقارت ٹپکتی تھی۔ اسی طرح جرمنی میں فریڈرش شلی گل، امریکہ میں دھٹمن، تھورو، بروز نے بھی فطرت کی طرف رجوع کرنے کی دعوت شروع کر دی۔

تھوڑے ہی عرصہ میں مہذب ممالک میں برہنگی کی قدر وقیمت اور اس کی ضرورت پر کافی لٹریچر شایع ہونے لگا۔ تھورو ۱۸۵۲ء میں چند لڑکوں کو ندی میں برہنہ نہاتے ہوئے دیکھ کر لکھتا ہے "ان کے جسموں کا رنگ

دھوپ میں فاصلے سے خوش کن معلوم ہوتا ہے۔ مجھے ان کے کھیل کود کی آوازیں پانی پر تیرتی سنائی دے رہی ہیں۔ ہمیں اب تک فطرت کے خوش نصیب انسان میسر نہیں۔ کیا ہی تعجب خیز بات ہوگی اگر کوئی فرشتہ زمین پر سیر کرنے آئے اور اپنی نوٹ بک میں یہ یادداشت لکھ لے جائے کہ زمین پر انسان کو اپنا جسم ظاہر کرنے پر سخت سزائیں دی جاتی ہیں!"

سٹرائز کہتا ہے کہ مشرکوں نے تو اپنے برہنہ خداؤں کی پرستش کی، لیکن حضرت مسیح کے پیروؤں نے اس خیال کو پیدا کیا کہ برہنگی شہوت پرستی ہے اس لئے مخرب اخلاق ہے حالانکہ صلیب کی آسمانی بلندیوں پر خود مسیح کا برہنہ جسم ضیاء پاشی کر رہا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب برہنگی کی ایک نئی شکل نمودار ہو رہی تھی جس کو فنی برہنگی کہنا چاہئے۔ اس کی ابتدا قدیم یونانیوں سے ہوئی اس میں شک نہیں کہ فنی برہنگی اپنی نوعیت میں برہنگی کے نظری یا شہوانی تصور سے بالکل جدا چیز ہے۔

لیکن انیسویں صدی میں برہنگی کا جو نیا پہلو اختیار کیا گیا اس کا تعلق اخلاق و روحانی فوائد سے نہ تھا، بلکہ حفظان صحت سے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ان تمام نیم مہذب اقوام پر نظر کرو جو اپنی زندگی تقریباً برہنہ بسر کرتی ہیں اور ان کی صحت و قوت کو دیکھو جہاں کہیں ان ابتدائی اقوام نے برہنگی کو ترک کر کے لباس اختیار کیا فوراً بیماری درد، دکھ اور زوال ان میں نمایاں ہونے لگے، اس میں شک نہیں کہ لباس کے استعمال کے ساتھ دوسری بری عادتیں بھی عام طور پر سیکھ لی جاتی ہیں۔ جو ان کے انحطاط کا باعث ہوتی ہیں، لیکن یہ مسلمہ امر ہے کہ تمام توانا و قوی وحشیوں میں عام طور پر برہنگی رائج ہے

جرمنی میں ڈاکٹر یوڈر اور ان گی ولڑ نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں اور صرف حفظان صحت کے لحاظ سے بلکہ اخلاقی و ذہنی لحاظ سے بھی اس کی تائید کی۔ ان کے نزدیک بدنی ریاضتوں میں برہنگی علاج اور اصلاح کا بہترین طریقہ ہے رکلی نے آسٹریا میں "آفتاب و ہوا کے غسل خانے" کھولے۔ اس کا قول تھا کہ "روشنی، صداقت اور آزادی، طبعی و اخلاقی صحت کے زبردست محرک ہیں" مختلف بیماریوں میں غسل آفتابی کی اہمیت کو طب نے تسلیم کر لیا ہے اور جرمنی میں آج کل بیشمار "آفتابی غسل خانے" رائج ہو گئے ہیں، چنانچہ ڈاکٹر لنکا مر دق، عصبی امراض، کمی خون وغیرہ ——— میں اسی قسم کے غسل کی ہدایت کرتا ہے۔ ہائنڈ خارش کی اصل وجہ آفتاب کی روشنی کی کمی قرار دیتا ہے کیونکہ یہ حبشیوں اور گرم ممالک میں نہیں پائی جاتی۔

اس مجمل (شاید آپ کے نزدیک مہمل!) تاریخی خاکہ کے بعد ہمیں اپنے ہم عصروں کے خیالات اور دلائل پر ذرا تفصیل سے نظر کرنا ہے۔

ان دنوں جن علمائے تعلیمات کی نظر نوجوانوں کی حفظان صحت و جنسی ضروریات پر حاوی ہے وہ ان کی اخلاقی

(بدنی صحت کے لئے برہنگی کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں' ان سب کے نزدیک بدن کا کھلی ہوئی صاف ہوا پانی اور روشنی میں رہنا بدنی صحت کا باعث ہے۔ برہنہ بدن سے مانوس ہونا خواہش حیوانی کو دور کرتا ہے' حاسۂ جمال میں شائستگی پیدا کرتا ہے اور صحت روحانی کو ترقی دیتا ہے۔ لیکن برہنگی کا رواج کس حد تک فروغ پائے اور کس عمر میں اس کی ابتدا ہو۔ یہاں آکر رایوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر گرہارڈ کہتا ہے کہ پہلے پختہ عمر کے حضرات کی اس بارے میں تعلیم ہونی چاہئے کیونکہ جنسی معاملات میں بچوں سے زیادہ یہی تعلیم و تفہیم کے محتاج نظر آتے ہیں۔ والدین بچوں کو ابتدا ہی سے شہوت پرستی کی تعلیم دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حیا اور اخلاق ان کے ذہن نشین کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف خود اپنی ابتدائی زندگی کے حالات پیش کرتا ہے جو کسی گرم ملک میں بسر ہوئے تھے اور جہاں وہ شروع ہی سے برہنگی کا عادی تھا وہ لکھتا ہے کہ جب میں اپنے وطن جرمنی میں آیا تو میری عمر بیس برس کی تھی' وطن پہونچتے ہی مجھے یہ بتایا گیا کہ جسم انسانی شاید کوئی مکروہ چیز ہے اور اُس کو پوشیدہ رکھنا چاہئے۔ چنانچہ جب جسم انسانی میری نگاہوں سے بالکل پوشیدہ کر دیا گیا اور متعدد دفعہ مجھ سے یہ کہا گیا کہ کپڑوں کے اندر کوئی شرم انگیز چیز مستور رہے' تب میری سمجھ میں آیا کہ یہ کیا معاملہ ہے ...... اس وقت تک میں یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ برہنہ بدن صرف اپنی برہنگی کی وجہ سے شہوت خیز احساسات پیدا کر سکتا ہے۔ مجھے اس قسم کے احساسات کا تجربہ ضرور تھا۔ لیکن یہ برہنہ بدن کو دیکھنے سے نہیں پیدا ہوتے تھے۔ بلکہ ہماری روحوں کے امتزاج سے رفتہ رفتہ شگفتہ ہوتے تھے۔" ممکن ہے کہ قدیم روایات میں نشوونما پائے ہوئے لوگ اس واقعہ کو بالکل سمجھ نہ سکیں' لیکن ہمارے مشورہ کو جو ابتدائے مضمون میں پیش کیا گیا ہے ملحوظ رکھکر وہ خلاف طبیعت خیالات کی صحت پر غور کرنے کی عادت ڈالیں اور جذبات کو عقل کا خادم سمجھیں نہ کہ اس کے برعکس!

اسی طرح فارل' گرہارڈ کا ہم زبان ہو کر کہتا ہے کہ اگر ابتدا ہی سے بچوں کے سامنے جسم کے چھپانے کی کوشش کی جائے گی تو ضرور وہ آئندہ چلکر برہنگی کو شہوانی جذبات کا ہیجان سمجھنے لگیں گے' لیکن اگر شروع سے یہ بات ان کے ذہن نشین کر دی جائے کہ جسم میں کوئی عضو غیر فطری نہیں جس کی وجہ سے ہم شرمندہ ہوں تو یہ جذبہ ابتدا ہی سے دور ہو جائیگا۔

برہنگی کا بچوں پر مخرب اخلاق یا شہوی اثر نہیں ہو سکتا کیونکہ ان میں تہیجات شہوانیہ کی تکمیل نہیں ہوتی ہے اس لئے جہاں تک جلد ممکن ہو سکے اُنھیں برہنگی سے مانوس کر دینا چاہئے تاکہ جنسی احساسات کا قبل از وقت نشوونما نہ ہو۔ اس طرح بچے ابتدا ہی سے ناپاک اثرات سے محفوظ ہو جائیں گے اور بعد میں جب برہنگی سے واسطہ پڑے گا تو ان میں شہوی جذبات پیدا نہ ہوں گے۔

اسی طرح بوئشے کہتا ہے کہ نہاتے وقت تو ہم ایک حد تک برہنہ ہوتے ہیں' لیکن ضرورت ہے کہ جسمانی ریاضت

کے وقت بھی برہنہ ہوں، پہلے پہل مرد عورت علٰحدہ علٰحدہ برہنہ ہوں لیکن جب ہم اس خیال سے مانوس ہو جائیں تو بعض اوقات دونوں ایک ساتھ ہو جائیں۔ ہم میں یہ قابلیت پیدا ہونی چاہئے کہ غیر جنس کے افراد کے برہنہ جسم کو اس قدر ضبط نفس اور پاک باطنی سے دیکھ سکیں کہ برہنگی مہیج شہوت نہ رہے۔

بہرحال ان علماء کا یہ خیال ہے کہ عہد طفولیت ہی سے بچوں کو برہنگی سے مانوس ہونا چاہئے، ہر خاندان میں اسکے موقعے موجود ہیں مثلاً کھیل کود میں، باغ میں، اور خصوصاً نہاتے وقت اگر کسی خاندان میں صرف ایک ہی جنس کے بچے ہوں تو والدین کو چاہئے کہ کسی دوسرے خاندان سے جہاں دوسری جنس کے ہم عمر بچے موجود ہوں دوستانہ تعلقات قائم کر لیں تاکہ یہ آپس میں مل جل کر رہیں اور انس و محبت کی فضا میں نشو و نما پائیں۔ اس طرح برہنگی شہوت انگیزی کے ہم معنی نہ رہیگی بلکہ ایک معصوم فطری چیز ہو جائیگی۔ اور حاسۂ جمال میں شائستگی پیدا کرے گی۔

اس امر کے واضح کرنے کی غالباً ضرورت نہیں کہ برہنگی اور بے شرمی دونوں علٰحدہ علٰحدہ چیزیں ہیں اس لئے اگر برہنگی کی وجہ سے نوجوان خود اپنی ذات کو حقیر سمجھنے لگیں یا اپنے بزرگوں کی وقعت ان کے دل میں باقی نہ رہے تو جان لینا چاہئے کہ برہنگی کے لئے ہم نے بہت زیادہ قیمت ادا کی ہے۔ یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ فقدان لباس اور فقدان حیا میں کوئی نسبت لزومی نہیں ہے، کیونکہ اکثر وحشی قبائل جو بالکل برہنہ زندگی بسر کرتے ہیں، ان وحشیوں سے زیادہ حیادار ہوتے ہیں جو کپڑے پہنے رہتے ہیں۔ پلوٹارک کا بھی یہی خیال تھا کہ حیا کا تعلق لباس سے ضروری نہیں، کیونکہ باحیا عورت کا لباس خود اس کی حیا ہے اور اگر کبھی وہ اپنی چادر دور کرتی ہے تو حیا کے آنچل کی اوٹ کر لیتی ہے۔ جاپان کی ایک ممتاز خاتون نے ڈاکٹر ہیلز سے کہا تھا کہ عورت برہنہ ہونے کے باوجود حد درجہ شریفانہ زندگی بسر کر سکتی ہے"

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لئے یہ سوال بڑا اہم ہے کیونکہ قومی روایات کی وجہ سے ہم برہنگی کو بے شرمی کا مترادف سمجھنے لگے ہیں اور جب ہم اس نقطۂ نظر سے ایک برہنہ عورت کو دیکھتے ہیں تو وہ فوراً ہماری نیت کا حال جان لیتی ہے اور جذبۂ حیا اس کو ستر پوشی پر مجبور کر دیتا ہے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر ممالک میں جہاں عورتیں برہنہ رہنے کی عادی ہیں یورپین سیاحوں کی بری نگاہوں کی تاب نہ لا کر اپنے جسم کو ڈھانک لیتی ہیں۔ سٹراٹز جس کا کچھ زمانہ جاپان میں گزرا ہے یہاں کی عورتوں کے متعلق کہتا ہے کہ وہ غیر ممالک کے باشندوں کے سامنے برہنہ چلنے سے انکار کرتی ہیں۔ سٹراٹز خود چونکہ ڈاکٹر تھا اور جاوا میں ایک عرصہ تک رہ چکا تھا جہاں برہنگی کا عام رواج ہے اسلئے جاپانی عورتیں اس کے سامنے برہنہ آنے سے احتراز نہیں کرتی تھیں۔

جذبۂ حیا کی طرح "جذبۂ نمود" بھی بالکل فطری ہے اور اسی جذبہ کے تحت نہ صرف نیک طینت و پاکباز مردوں میں بلکہ نوجوان عورتوں میں بھی یہ میلان پایا جاتا ہے کہ اپنے خوبصورت بدن کو نہ صرف خود دیکھیں بلکہ مناسب

موقع و محل، پر غیروں کے سامنے بھی اس کی نمائش کریں وحشیوں میں بھی یہ بات دیکھی گئی ہے کہ اپنے جسم اور اعضاء کے حسن اور نشوونما پر فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر سیرے کہتا ہے کہ عضو جنسی کو چھپانے کی خواہش صرف ان نوجوانوں میں پائی جاتی ہے جن کا نشوونما پوری طرح نہ ہوا ہو لیکن جو فطری طور پر اچھی طرح نشوونما پاتے ہیں ان میں یہ جھجک بہت کم پائی جاتی ہے۔

برہنگی کا سب سے پہلا فایدہ تو یہ ہے کہ نوجوانوں کی جنسی صحت (Sexual Hygiene) پر اس کا اچھا اثر پڑتا ہے۔ دوسرا فایدہ یہ ہے کہ اس کا اثر ان لوگوں پر بھی اچھا پڑتا ہے جو عمر میں کسی قدر زیادہ ہیں کیونکہ اس سے ان کا حاسۂ جمال نشوونما پاتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ برہنگی کا رواج اخلاق انسانی پر ایک قسم کا قوی نفسیاتی اثر ڈالتا ہے اور بجائے ضعیف و منفی اخلاق کے انسان میں قوی اور ایجابی اخلاق پیدا ہونے لگتا ہے۔

بہت کم لوگ اس امر سے واقف ہوں گے کہ بچے جنس مقابل کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے کس قدر وقت، صبر، اور ذہنی قوت کو کام میں لاتے ہیں۔ ان کی یہ ساری کوششیں راز میں ہوتی ہیں، لیکن بعض وقت یہ راز فاش ہو جاتا ہے اور قانون کی نگاہوں میں "جرم" قرار پاتا ہے! جرمنی کے ایک مشہور مقنن نے حال ہی میں کہا تھا کہ اگر بچوں میں جنس مخالف کے اعضائے جنسی اور اُن کے فرائض سے ایک قسم کا انس پیدا کر دیا جائے تو نوے فیصدی ناجائز حرکات کا خاتمہ ہو جائیگا۔

نوجوانوں کے فطری تجسس کو کم کرنے کے علاوہ برہنگی کی روحانی اہمیت بھی ظاہر ہے۔ بالغ السن حضرات کے لئے جو نوجوانی کے جذبات کو رخصت کر چکے ہوتے ہیں برہنگی ایک قسم کی تحریک روحانی ہے، کیونکہ انسان کے جسم کا نظارہ ہمارے لئے دنیا میں سب سے زیادہ قریبی چیز ہے اور اس کی طاقت، اس کی لطافت و حلاوت زندگی کی بہترین نعمتوں میں سے ہے۔ دنیا کی کوئی حسین چیز حتیٰ کہ خوبصورت پھول، خوشنما ستارے، شباب انگیز سمندر بھی جسم انسانی سے زیادہ حسین و مسرت بخش نہیں! کسی نے خوب کہا ہے "عورت کے جسم کی قوت محض مادی نہیں ہے بلکہ اس کی قوت اسی طرح روحانی ہے جیسی موسیقی کہ اس کا اثر ہوا کے ارتعاشات مٹنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے"۔

بولشے نے خوب کہا ہے کہ ہمیں انسان کے برہنہ جسم کو انھیں نگاہوں سے دیکھنے کی عادت ڈالنی چاہئے جن نگاہوں سے ہم ایک خوبصورت پھول کو دیکھتے ہیں ہمیں اُس کی قوت، صحت و حسن سے کیف اندوز ہونا چاہئے، کیونکہ پھول محض برہنہ جسم، ہی نہیں بلکہ وہ جسم کا ایک نہایت مقدس حصہ ہے یعنی پودے کا عضو نسلی ہے"!

ایک مشہور آسٹرین مصنف کا بیان ہے کہ وہ ایک روز دنیا سے تنگ تھا، اتفاقاً اس کی نگاہ ایک معصوم لڑکے پر جا پڑی جو بالکل برہنہ تھا، اس کے چہرے کی خوبصورتی، اس کے ہاتھ پاؤں کی نفاست نے (وہ کہتا ہے)

"میرے دردمند دل کو مسرت اور نئی امیدوں سے بھر دیا، میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں نے دل میں کہا کہ جب تک دنیا میں حسن کا وجود ہے میں اپنی ناکام کوششیں بھی برابر جاری رکھونگا"!

آخر میں برہنگی کا اخلاقی سوال پیش ہوتا ہے۔ گزشتہ پچاس سال سے اس پر کافی بحثیں ہو رہی ہیں، تاہم عوام الناس اس سے مانوس نہیں ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسم انسانی کوئی حقیر شے نہیں، اور اس کے نظارے میں دو عنصر پائے جاتے ہیں، ماہیت و جمال، جذب و دفع، انسان کا دل اس طرف مائل بھی ہوتا ہے اور ہٹ بھی جاتا ہے، اسی دوگونہ قوت کیوجہ سے نظارہ میں نیکی کا بھی اظہار ہوتا ہے اور جذبات شہوی کا روکنا بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ لیکن تجربہ یہی کہتا ہے کہ جذبات شہوانی کا تعلق زیادہ تر جسم مستور ہی سے ہے اور یہ امر عام طور پر مسلم ہو گیا ہے کہ لباس زیور اور آرائش کی مختلف چیزوں کا اصل مقصد خواہشات نفسانی کا اشتعال ہی ہے اور برہنہ جسم کو سنوارا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اس کے نظارہ سے صنف مخالف میں ہیجان نفسی پیدا ہو جائے اس کی صداقت سے نقاشوں کے ماڈل، بخوبی واقف ہوتے ہیں اور وہ لوگ بھی جنھیں برہنہ بدن دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ چنانچہ مشہور مصنف ڈاکٹر شوفلڈ سے ان کے ایک ماڈل نے کہا تھا کہ جونہی وہ اسٹوڈیو میں داخل ہوتی تھی۔۔ وہ فوراً برہنہ ہو جاتی تھی، کیونکہ مرد اپنے جذبات پر قادر نہیں رہتے اور اس کو اس امر کا احساس تھا کہ وہ برہنگی کی حالت میں اس قدر جذبات کو مشتعل نہیں کر سکتی جس قدر کہ نیم برہنگی کی حالت میں اس لئے ظاہر ہے کہ اگر شہوانی خواہشات پر تسلط حاصل کرنا زندگی کا مقصد وحید ہو تو یہ زیادہ قرین عقل ہوگا کہ لباس کا استعمال منع کر دیا جائے نہ کہ برہنگی کو جرم قرار دیں!

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ برہنگی کے نظارہ سے اشتعال ہوتا ہے تو پھر بھی یہ صحیح ہے کہ اس نظارہ کی وجہ سے ضبط نفس جیسی شریف صفات کے سیکھنے کا موقع ملتا ہے، حقیقت میں وہ نیکی نہایت ہی کمزور ہے جو محض ترغیبات سے محفوظ رکھنے کے لئے ہمیں جنگل میں بھیج دے۔ ہولباخ نے صحیح کہا ہے کہ عقل صحیح جذبات کے انتخاب کا فن ہے اور تعلیم نام ہے قلوب انسانی میں ان کو جاگزیں کرنے کا۔! برہنگی کا نظارہ اس نقطہ نظر سے بہت قدر و قیمت رکھتا ہے کہ وہ ہمیں ایسی شے سے خوش ہونا سکھاتا ہے جسکے ہم مالک نہیں ہوتے، اور ہماری مسرت غرض سے خالی ہوتی ہے، یہ ایسا سبق ہے جو ہر معاشری زندگی کی تعلیم کا ضروری جزو ہے۔ اگر بچہ کو یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ وہ خوبصورت پھول کو دیکھے اور اس کو توڑے نہیں، تو بالغ العمر۔۔ آدمی کو یہ سیکھنا چاہئے کہ وہ عورت کے حسن و جمال کو دیکھے اور ملکیت کی خواہش نہ کرے۔ لوگ اس کو ناممکن سمجھتے ہیں لیکن در اصل یہ صحیح نہیں ہے۔۔ انسان کے دوسرے جذبات کی طرح یہ خواہش بھی فطری حدود کے اندر نشو و نما پا سکتی ہے۔ اور اس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ شروع سے برہنگی کی اہمیت یا جاذبیت کے خیال کو محو کیا جائے

جن لوگوں کی تربیت خراب ہوئی ہے اُن کا — اہل یونان یا دوسری نفیس طبائع اقوام کی ذہنی حد تک پہونچنا اور انسان کے برہنہ جسم کے نظارہ سے جمالیاتی، علمی اور اخلاقی فوائد حاصل کرنا ناممکن معلوم ہوگا، لیکن ہمیں اس نقطۂ کمال تک پہونچنے کی کوشش میں کمی نہ کرنی چاہیے۔ دسلے نے ایک دفعہ پوچھا تھا کہ شیطان ہی کیوں ہمیشہ بہترین نغموں سے لطف اندوز ہوتا ہے، اسی طرح زمانۂ حال کے لوگ یہ پوچھنے لگے ہیں کہ کیوں انسانی جسم۔ وہ الٰہی نغمہ جو تخلیق کے بہترین لمحوں میں ظہور پذیر ہوا ہے — انھیں لوگوں کی دیدہ بازی کے لئے مخصوص ہو جائے جو فحش کی تلاش میں رہتے ہیں" یہ وہ خیالات ہیں جن کو ہم آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتے گو عوام کی جانب سے ان کی کتنی ہی مخالفت کیوں نہ ہو! —

"دور نظر"

(نگار) یہ مضمون ہے ایک ایسے بزرگ کا جو یورپ میں اپنی عمر کا معقول حصہ بسر کر کے ہندوستان واپس آئے ہیں اور علم و فضل کی بڑی بڑی سندیں اپنے پاس رکھتے ہیں۔ لیکن کیا حیرت کا مقام نہیں کہ وہی شخص جو "عریانی" کی حمایت میں اس قدر طویل مقالہ سپرد قلم کرتا ہے، وہ اتنی اخلاقی جرأت بھی اپنے اندر نہیں رکھتا کہ جسم تو جسم صرف اپنے نام ہی کو "عریاں" پیش کر سکے۔ اُنھوں نے اپنے اصلی نام کے بجائے صرف "دور نظر" لکھنا کافی سمجھا ہے، درانحالیکہ برہنگی یا عریانی سے لطف اندوز ہونے یا بقول اُن کے کسب روحانیت کے لئے "دور نظری" سے کام نہیں چلتا، بلکہ اس کے لئے ضرورت ہے آنکھیں چار ہونے کے، اتصال جسم و لب کی اور "تو من شدی، من تو شدم" کی

نگار کی کسی گزشتہ اشاعت میں شعبۂ ادارت ہی کی طرف سے ایک مضمون اسی موضوع پر شایع ہو چکا ہے اور اس میں تقریباً یہی خیالات اور مغرب کے ائمۂ عریانی کے یہی اقوال پیش کئے گئے ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ میں نے اس مضمون میں ایک حد تک ان خیالات کی مخالفت کی ہے اور ہمارے فاضل مقالہ نگار اس کے موافق ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ برہنگی کے جو فوائد ہم کو بتائے جاتے ہیں، وہ بڑی حد تک قابل لحاظ ہیں۔ لیکن اس کا ایک فائدہ جس پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے اس سے مجھے اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر ہم شروع ہی سے عریانی و برہنگی سے مانوس بنا دیئے جائیں تو ہمارے جذبات جنسی میں کسی کو عریاں دیکھ کر ہیجان پیدا نہیں ہو سکتا اور میں بھی اس کی صحت کو تسلیم کرتا ہو

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے جذبات جنسی میں ہیجان پیدا کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں ؟۔ ظاہر ہے کہ کوئی صائب الرائے شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جب انسان کے جذبات جنسی مفقود ہو جاتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ اضمحلال قوا، ضعف عقل و دماغ، فقدان ولولہ و نشاط، اور انحطاط حرکت و عمل کی صورت میں ظاہر ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ ہمارا روز کا مشاہدہ ہے کہ وہی شخص جو جوانی میں یکسر پیکر عمل ہوتا ہے، ضعف و پیری کی حالت میں بیکار محض ہو جاتا ہے۔ اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس کا تعلق جذبات جنسی سے نہیں ہے بلکہ محض اس زمانہ سے ہے جب قوائے انسانی پوری طرح نشو و نما پا چکے ہوتے ہیں تو پھر میں یہ دریافت کرونگا کہ وہ نوجوان جن میں کسی خاص سبب سے ضعف رجولیت پیدا ہو جاتا ہے، کیوں دنیائے عمل میں بیکار ثابت ہوتے ہیں اور جب بوڑھے آدمیوں پر "اعادہ شباب" کا آپریشن کیا جاتا ہے تو کیوں اُن میں وہی تمام کیفیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو جوانی کے زمانہ میں پائی جاتی تھیں

بہرحال اس سے انکار ممکن نہیں کہ شباب اور شباب کی اُمنگ جس چیز سے عبارت ہے وہ صرف "خواہش جنسی" ہے اور اسی کا اضمحلال شباب کا اضمحلال کہلاتا ہے۔ پھر جب اصل چیز یہی قرار پائی تو کیا ہمارا اصول معاشرت میں ایسی باتوں کا رائج کرنا، جو جذبات جنسی میں بجائے ہیجان پیدا کرنے کے اضمحلال پیدا کریں، کسی طرح مناسب قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہمارے فاضل مقالہ نگار نے خود ہی اس بات کو تسلیم کیا ہے اور واقعی تسلیم کرنے کی بات بھی ہے کہ ملبوس و آرائش کا مقصد ہی صرف جذبات جنسی میں ہیجان پیدا کرنا ہے اس لئے جب تک اصولاً اس امر کو تسلیم نہ کر لیا جائے کہ "ہیجان جذبات" بڑی چیز ہے، اسوقت تک لباس و آرائش کی مخالفت کوئی معنی نہیں رکھتی۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان عہد قدیم میں عریاں زندگی بسر کرتے کرتے تنگ آگیا اور اُس نے محسوس کیا کہ مرد و عورت کے درمیان تعلق جنسی کی خواہش بھی ایک دوسرے کو برہنہ دیکھتے دیکھتے مفقود ہوتی جا رہی ہے، تو اس نے یہی تدبیر سوچی ہوگی کہ ایک دوسرے کی نگاہ کے لئے کچھ موانع و حجاب پیدا کئے جائیں اور جب اس کے اولین تجربات مفید ثابت ہوئے ہونگے تو اصولاً ستر پوشی کو لازم قرار دیا ہوگا تاکہ مرد و عورت کے خواہشات جنسی میں ہیجان و اشتعال پیدا ہوتا رہے، جو تمدن انسانی کی ترقی کے لئے ازبس ضروری ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ جو وحشی قومیں عریاں رہتی ہیں ان کی صحت جسمانی اچھی رہتی ہے، لیکن انسان نام صرف صحت جسمانی کا نہیں ہے بلکہ صحت احساس و ادراک کا بھی ہے۔ اس کے علاوہ یوں بھی

ملاحظہ کیجئے کہ اگر آج ملبوس کا استعمال ممنوع قرار دیدیا جائے تو انسانی تمدن کی ترقی کس قدر پیچھے ہٹ جائے گی اور ہماری کتنی صنعتیں محو ہو کر ہماری قوت ابداع و اختراع کو مضمحل کر دینگی

وہ چیز جو انسان کو تمام دیگر مخلوقات سے ممیّز و ممتاز بناتی ہے اس کا ذوق "وجدانیات" ہے جسے "جمالیات" بھی کہتے ہیں۔ اگر آج یہ ذوق مفقود ہو جائے تو انسان و حیوان دونوں برابر ہیں۔ پھر غور کیجئے کہ اس ذوق کا تعلق عریانی سے ہے یا ستر پوشی سے' اور ہیجانِ نفس جو اصل محرک اس ذوق کا ہے وہ جسم مستور سے وابستہ نظر آتا ہے یا جسم عریاں سے۔ آپ ہی غور کیجئے کہ اگر آج ساری دنیا ننگی ہو جائے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ میری رائے میں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کا فن تعمیر آپکا فن پارچہ بافی آپکا فن تزئین و آرائش اور تمام فنون لطیفہ مردہ ہو جائیں گے کیونکہ پھر نہ ہم کو عالی شان محلوں کی ضرورت ہوگی' نہ دیبا و حریر کی نہ ہمارے دلوں میں کوئی ہیجان پیدا ہوگا کہ نقش و نغمہ کی طرف متوجہ ہوں اور نہ کوئی خاص اُمنگ جو ہمیں محنت و عمل کی طرف مایل کرے الغرض مرد و عورت کا وجود بالکل بے معنی ہو کر رہجائے گا اور انسانی زندگی ریگزار کی طرح ویران اور سنسان نظر آنے لگے گی۔

مرد و عورت کا مستور رکھا جانا حقیقتاً بالکل نفسیاتی اصول پر مبنی ہے اور اس سے مدعا یہی ہے کہ دونوں میں باہم دگر کشش باقی رہے اور شوق کی آگ نہ بجھنے پائے۔ کیونکہ یہ فطرت انسانی ہے کہ جو چیز اس سے زیادہ چھپائی جائے گی اس کے لئے زیادہ عسیر الحصول ہوگی اتنی ہی رغبت بڑھیگی اور اسی نسبت سے شوق و ولولہ میں اضافہ ہوگا۔ چنانچہ ایک بیوی کی طرف سے رغبت شہوانی کا آہستہ آہستہ کم ہو جانا خواہ وہ کتنی ہی جمیل کیوں نہ ہو اور غیر عورت کی طرف کھنچنا خواہ وہ کیسی ہی معمولی شکل و شمائل کی ہو' اسی نفسیاتی اصول کی بنا پر ہے۔

بہر حال عریانی کے اور جو فوائد بھی ہوں' لیکن اس کی یہ مضرت بالکل یقینی ہے کہ جذبات جنسی اس سے فنا ہو جاتے ہیں جن پر نوع انسانی کے ترقی کا مدار ہے۔

اس وقت یوروپ میں جرمنی اس کا سب سے بڑا علمبردار ہے' لیکن میں نے جہاں تک غور کیا اس تحریک کا بڑا سبب وہاں کی اقتصادی مشکلات ہیں اور اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اُن کا مقصود واقعی وہی ہے جو فاضل مقالہ نگار نے بتایا ہے تو افسوس ہے کہ اس کی اہمیت و صداقت کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یقیناً مغرب و اہل مغرب کی ترقیاں اور ان کے اصول زندگی نہایت پاکیزہ و مستحکم ہیں' لیکن بلا غور کئے ہوئے اُن کی ہر تحریک کو لبیک کہنا' وہی کورانہ تقلید ہے جس نے اہل ایشیا اور خصوصیت

کے ساتھ اہل ہند کو تباہ کر رکھا ہے۔

ممکن ہے صاحب مضمون کا تجربہ اس کے خلاف ہو، لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر آج مرد عورت دونوں ننگے پھرنے لگیں تو تھوڑے ہی زمانہ کے بعد انسانی نسل میں انحطاط شروع ہو جائے اور دونوں جنسوں میں رفتہ رفتہ اضمحلال پیدا ہو کر کائنات کی رونق خاک میں مل جائے۔

آئندہ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء کا نگار

حسب معمول دو چند ضخامت پر شایع ہوگا اور عجیب و غریب مجموعہ ہوگا صرف حضرت نیاز فتحپوری کے افسانوں کا یا اُن کی تنقیدات عالیہ کا جو عہد حاضر کے بہترین شعراء کے کلام پر یکجا ئیں گی۔ ناظرین براہ کرم مطالعہ فرمائیں کہ وہ ان دونوں میں سے کس کو بہتر سمجھتے ہیں۔ اگر کثرت رائے سے صورت اوّل اختیار کی گئی تو زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں اور اگر دوسری صورت اختیار کی گئی تو یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حسب ذیل شعراء کے کلام پر تنقید کر کے بتایا جائیگا کہ کون کس مرتبہ کا ہے اور کس کے کلام میں کس قدر اور کس نوع کی غلطیاں یا خوبیاں پائی جاتی ہیں:۔

اقبال، (علی) اختر (حیدرآباد)، اصغر، جگر، جوش، حسرت، سیماب، صفی، عزیز، فانی، یاس،

ایک تیسری صورت یہ ہے کہ گزشتہ دس سال میں باب الاستفسار کے ماتحت جو جوابات مختلف لوگوں کے سوالات پر حضرت نیاز نے دیئے ہیں اُن کا انتخاب شایع کر دیا جائے۔

بہرحال اس کا فیصلہ ناظرین نگار کے ہاتھ میں ہے اور انھیں کے پسند پر چھوڑا جاتا ہے لیکن یہ رائے زیادہ سے زیادہ ۲۵ر نومبر تک دفتر میں پہونچ جانی چاہیے۔

مینیجر نگار لکھنؤ

سیزر اور کلیو پیٹرا

(انگلستان کے مایہ ناز ادیب برنارڈ شا کا ڈراما)

پہلا ایکٹ

مصر کے ۳۳ ویں خاندان کے اختتام پر (یعنی ۴۸ قبل مسیح) نخلستان سیریا کے حدود پر، چاندنی رات کی ایک صبح کو، کرۂ آتشیں مشرق سے طلوع ہو رہا ہے، ستارے اور صاف آسمان، جو اس وقت ہمیں نظر آ رہے ہیں اُس وقت ساڑھے انیس سو سال کم عمر تھے اور ان کے نیچے، تمدن انسانی کی دو یادگاریں نظر آتی تھیں۔ ایک محل اور دوسرا سپاہی۔

محل جو ایک قدیم شامی طرز کی عمارت ہے اور سفید اینٹوں سے بنائی گئی ہے اس قدر بدنما نہیں ہے جیسا قصر بکنگھم۔ اور اس کے کشادہ صحن میں جمع رہنے والے سپاہی موجودہ زمانہ کے انگلستانی عہدہ داروں سے زیادہ مہذب ہیں، مثلاً وہ اپنے دشمنوں کی نعشوں کو قبروں سے نکال کر ان کی بے حرمتی نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہم لوگ کرامول اور مہدی کی نعشوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

یہ دو جماعتوں میں منقسم ہیں۔ ایک جماعت اپنے کپتان بلزنار کی قمار بازی کی طرف متوجہ ہے جو ایک عجمی رنگروٹ کے ساتھ شطرنج کھیلنے میں منہمک ہے دوسرا گروہ ایک پہرہ دار کے گرد مجتمع ہے جو ابھی ابھی ایک نہایت پرلطف قصہ کہکر فارغ ہوا ہے اور جس کو سنکر سب لوگ ہنس رہے ہیں ان کی تعداد بارہ ہے۔ سب خوبصورت مصری جوان ہیں، جو اسلحہ اور زرہ بکتر سے آراستہ ہیں

بلزنار ایک عمر آزمودہ کار ہے اور بہت تیز و چالاک، جہاں سخت ظلم و تشدد کی ضرورت ہو وہاں اس کی مکاریاں اور جعلسازیاں کام کرتی ہیں اور جب اس کی ضرورت نہ ہو تو وہ بالکل سیدھا سادھا اور لڑکوں کی مانند بھولا انسان معلوم ہوتا ہے' یہ ایک بارعب سپاہی، ایک بے مثال افسر اور ایک زبردست حاکم ہے۔ وہ بیحد انہماک کے ساتھ شطرنج کھیل رہا ہے دوسرے چھوٹے عہدہ دار اپنے نیزے دیوار سے لگائے ہوئے کھڑے ہیں، صحن کے ایک گوشہ میں جسکا ایک رخ قصر کے سامنے پڑتا ہے، ایک بڑا دروازہ لگا ہوا ہے۔ دوسری طرف ایک دیوار ہے جس میں ایک پھاٹک لگا ہوا ہے، قصہ گو محل کی سمت میں ہے۔ اور قمار باز دیوار کی طرف پھاٹک کے قریب۔ دیوار کے سامنے ایک

بہت بڑا پتھر ہے جو اس قدر بلند ہے کہ ایک حبشی پہرہ دار اُس پر کھڑا ہو تو دیوار کے باہر دیکھ سکتا ہے۔

ایک دیوار میں لگی ہوئی قندیل سے صحن روشن ہے اور عجمی سردار بازی جیت کر زمین پر پڑی ہوئی چھڑی اُٹھا لیتا ہے۔

بلزنار :- ایپس کی قسم ہے عجمی، تیرے دیوتا تجھ پر بہت مہربان ہیں۔

عجمی :- او سردار، پھر ایک بار قسمت آزماؤ۔ یا تو دوگنا ملیگا یا پھر کچھ نہیں۔

بلزنار :- نہیں۔ اب نہیں، اس وقت کچھ میرا دل نہیں لگتا۔

سنتری :- (اپنی برچھی اُٹھاکر) کھڑا رہ، کون جا رہا ہے؟

(سب کھڑے ہو جاتے ہیں، ایک عجیب آواز باہر سے جواب دیتی ہے)

آواز :- بُری خبروں کا پیغامبر

بلزنار :- (سنتری کو پکار کر) آنے دے۔

سنتری :- (اپنی برچھی زمین کی طرف جھکا کر) او بُری خبروں کے پیغامبر۔ میرے قریب آ۔

بلزنار :- (شطرنج کو جیب میں رکھ برچھی کو اُٹھاتے ہوئے) ہم کو اس آدمی کا خیر مقدم کرنا چاہیے کیونکہ وہ بری خبریں لا رہا ہے۔

(محافظ اپنی برچھیاں لیکر پھاٹک پر جمع ہو جاتے ہیں اور آنیوالے کے لئے بیچ میں راستہ چھوڑ دیتے ہیں)

عجمی :- (گھٹنے کے بل اُٹھتے ہوئے) کیا بری خبریں ہیں؟

بلزنار :- او وحشی عجمی، میری بات سن، مصر میں اچھی خبریں لانے والا دیوتاؤں پر بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ لیکن بری خبریں لانے والے کا خون، کوئی دیوتا قبول نہیں کرتا۔ اس لئے جب ہم کو اچھی خبریں ملتی ہیں تو ہم ان کو غلام کے منھ سے سنتے ہیں اور بری خبریں وہ شرفا لاتے ہیں جو اپنی اہمیت کو لوگوں کی نظروں میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

(آنے والے پھاٹک کے پاس پہنچ جاتے ہیں)

سنتری :- او جوان سردار، جا اور ملکہ کی حضور میں سر تسلیم خم کر۔

آواز :- جا اور اپنی برچھی پر سور کی چربی مل لے، کیونکہ صبح ہونے سے قبل ہی رومی سپاہی اُسے تیرے حلق میں داخل کر دیں گے۔

آواز دینے والا ایک خوبصورت بالوں والا، خوش پوشاک نوجوان ہے جو محافظوں سے بالکل مختلف کئی رنگ کے کپڑوں میں ملبوس ہے پھاٹک میں ہنستا ہوا داخل ہوتا ہے اس کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی جنگ میں شریک ہو کر آیا ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں پٹی بندھی ہوئی ہے اور داہنے میں کسی رومی سپاہی کی ایک تلوار ہے جو میان میں رکھی ہوئی ہے وہ صحن میں پہنچتا ہے۔ بلزنار، اور محافظ سپاہی اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔

بلزنار :- تو کون ہے جو ملکہ، کلیوپیٹرا کے محل اور بلزنار کے سامنے یوں ہنستا ہے۔

اجنبی :- میرا نام بلا فرکیس ہے اور میں دیوتاؤں کی نسل سے ہوں۔

بلزنار :- (رسماً) خوش آمدید - برادر -

سب مل کر :- (عجمی کے سوا) خوش آمدید برادر -

عجمی :- او اجنبی میرے سوا ملکہ کے تمام محافظ دیوتاؤں کی نسل سے ہیں میں البتہ ایک عجمی ہوں اور دنیاوی بادشاہوں کی نسل سے -

بلزنار :- اے بلافریس، تم جنگ میں رہ چکے ہو، اور جانتے ہو کہ سپاہی کسے کہتے ہیں اس لئے مجھے اُمید ہے کہ تم ملکہ کی کنیزوں کو سب سے پہلے اپنی خبریں نہ سناؤ گے -

بلافریس :- اس کے سوا میں اور کوئی خبر نہیں لایا کہ ہم سب کے سر قلم کردیئے جانے والے ہیں - سپاہیوں کے، عورتوں کے اور سب کے !

عجمی :- (بلزنار سے) میں نے بھی تم سے یہی کہا تھا۔

سنتری :- (جواب تک سن رہا تھا) آہ افسوس -

بلافریس :- صبر، صبر، قسمت دیوتاؤں کے ساتھ ہے جنھوں نے تجھے سیاہ رنگ میں رنگا ہے - (بلزنار سے) اس آدمی (عجمی کی طرف اشارہ کرکے) نے تم سے کیا کہا ہے ؟

بلزنار :- اس نے کہا کہ روم کا جولیس سیزر جو ایک مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ ہمارے ملک میں آپہنچا ہے - خود مصر کا حکمران بنجائیگا۔ کسان اس لئے ہیں کہ ہل جوتیں - لوہار، سنار اور رنگریزوں کے بیٹے سارے کام کاج کرنے کو بنائے گئے ہیں اور ہم تو شرفا میں سے ہیں اور ہتھیاروں کو متبرک سمجھنے والے دیوتاؤں کی نسل سے !

عجمی :- دیوتا اپنے غریب رشتہ داروں پر ہمیشہ مہربان نہیں ہوتے -

بلزنار :- (غصہ سے عجمی کو دیکھ کر) انسان کی اولاد، کیا ہم سیزر کے غلاموں سے بھی بدتر ہیں ؟

بلافریس :- (ان کے درمیان آکر) اے انسان کی اولاد و سنو، ہم مصری ایسے ہی افضل ہیں جیسے دیوتا رومیوں کے مقابلہ میں -

محافظ :- آہاہا -

بلافریس :- لیکن یہ سیزر - آدمی کے مقابلہ میں آدمی کو کچھ نہیں سمجھتا - وہ اپنی فوج سے اس مقام پر حملہ کرتا ہے جہاں تمھاری حالت بہت کمزور ہو - وہ گویا پہاڑ پر سے ایک پتھر پھینکتا ہے اور اس کا لشکر یوں سمجھو کہ ایک ایسا آدمی ہے جس کے سر صرف ایک ہی ہے مگر ہاتھ ہزاروں ہیں اور مذہب کوئی نہیں رکھتا میں نے اس کا مقابلہ کیا ہے اور میں اس سے پوری طرح واقف ہوں -

بلزنار :- کیا بھائی تم ڈر گئے تھے - ؟

محافظ سپاہی خوفناک قہقہہ لگاتے ہیں اور ان کی آنکھیں اپنے سردار کی اس بات پر چمکنے لگتی ہیں

بلافریس :- نہیں بھائی - لیکن مجھے شکست اٹھانی پڑی - وہ ڈر گئے تھے شاید - لیکن انھوں نے ہم کو بھوسے یا چھلکے کی طرح پراگندہ کردیا -

محافظ نفرت آمیز لہجہ میں باہم رائے زنی کرتے ہیں

بلزنار :- کیا تم نہ مرسکتے تھے ؟

بلافریس :- نہیں - کیونکہ ایک دیوتا کی نسل سے ہونا

بہت سی مشکلوں سے بچا لیتا ہے۔ اس کے علاوہ اسکا وقت بھی نہ تھا - یہ سب کچھ پلک مارتے ہو گیا حملہ وہیں ہوا جہاں ہم کو ذرا بھی توقع نہ تھی۔

بلزنار:- اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رومی بزدل ہیں

بلافریس:- وہ بزدلی کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے وہ جینے کے لئے لڑتے ہیں جنگ کی عظمت و شرافت انکے نزدیک بے معنی چیز ہے۔

عجمی:- ذرا جنگ کے واقعات تو بیان کرو - کیا کیا ہوا؟

سب محافظ:- (بلافریس کے گرد خواہشمندانہ طور پر جمع ہوتے ہوئے) ہاں جنگ کی داستان ہم بھی سنیں

بلافریس:- تو تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں معبدرا کے محافظوں میں ایک ادنی درجہ رکھتا ہوں یعنی نہ میں کلیوپیٹرا کی خدمت گذاری کرتا ہوں نہ اس کے بھائی ٹالمی کی - البتہ بڑے دیوتاؤں کی اطاعت میں ضرور رہا ہوں - ایک بار تنہا محض اس غرض سے سفر کیا کہ کلیوپیٹرا کو سیریا بھگا دینے کا سبب ٹالمی سے دریافت کریں اور یہ کہ ہم مصریوں کو پمپئی کے ساتھ (جو اس وقت فارسیلیا میں سیزر کے ہاتھوں شکست اُٹھا کر ہمارے ملک میں وارد ہوا تھا) کیسا سلوک کرنا چاہئے۔ تمھارا کیا خیال ہے کہ ہم کو کیا معلوم ہوا؟ مجھ سے سنو، ٹالمی نے پمپئی کو قتل کر ڈالا - جس کا کٹا ہوا سر وہ فاتح کی خدمت میں پیش کرنے کی غرض سے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔

(محافظوں میں ایک بے چینی کی لہر دوڑ جاتی ہے)

بلکہ اس سے بھی زیادہ اضطراب آفریں بات ہم کو یہ معلوم ہوئی کہ سیزر آپہنچا ہے کیونکہ ابھی ہم نے نصف روز کا سفر بھی طے نہ کیا تھا کہ ایک ایسے شہر میں پہنچے جہاں کے لوگ اس کی فوج کے ڈر سے بھاگ رہے تھے۔

بلزنار:- اور تم مندر کے محافظ! کیا تم نے اس لشکر کا مقابلہ نہیں کیا؟

بلافریس:- انسان بھلا کیا کر سکتا تھا جو ہم نے کیا - لیکن اسی وقت بگل کی آواز کانوں میں آئی جو ایک سیاہ پہاڑ کی بد دعا کی مانند تھی تب ہم نے دیکھا کہ ڈھالوں کی ایک دیوار سی ہماری طرف آرہی ہے۔ تم جانتے ہو کہ دل کسقدر جلنے لگتا ہے جب تم قلعوں سے محفوظ مقام پر حملہ کرتے ہو؟ لیکن جب خود قلعہ کی دیوار تم پر حملہ کرے تو کیا ہو؟

عجمی:- (لوگوں سے) کیا یہ میں نے نہیں کہا تھا؟

بلافریس:- جب وہ دیوار قریب آئی تو آدمیوں کی ایک صف میں تبدیل ہو گئی - جو بالکل معمولی تھے - لیکن خود اور چمڑے کے لباس پہنے تھے، ان کے سینے آہنی زرہ سے محفوظ تھے - ان میں سے ہر آدمی نے اپنی برچھی سے وار کیا - ایک جو میری طرف آیا اس نے میری ڈھال میں چھید کر دیا - یہ دیکھو (وہ اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کرتا ہے) اور اگر میں جھک نہ جاتا تو وہ میری گردن میں پیوست ہو جاتی - وہ اس وقت دو دو کر کے حملہ کر رہے تھے اور پھر اپنی چھوٹی چھوٹی تلواریں لیکر ہم پر آپڑے، تم سمجھ سکتے ہو کہ جب کوئی آدمی تمھارے پاس ایسی تلوار لیکر پہنچ جائے، تو تم اپنے ان ہتھیاروں سے کچھ نہیں کر سکتے - کیونکہ وہ سب بہت لمبے ہیں؟

عجمی :- تم نے کیا کیا ؟

بلافریس :- میں نے گھونسا تان کر رومی کے جبڑوں پر مارا - بہرحال وہ آدمی ہی تھا ایک گڑھے میں گر پڑا - اور میں نے اس کی تلوار چھین لی - (تلوار میان سے کھینچ کر) یہ دیکھو ایک رومی کی تلوار جس پر رومی خون کے قطرے ہیں -

محافظ :- (تعریف کر کے) بہت خوب، بہت خوب

(وہ تلوار لیکر یکے بعد دیگرے دیکھتے ہیں اور اسکا امتحان کرتے ہیں)

عجمی :- اور تمھارے آدمی ؟

بلافریس :- بھاگ گئے - بھیڑوں کی طرح تتر بتر ہو گئے

بلزنار :- (غضبناک ہو کر) بزدل، کمینے، بھاگ گئے دیوتاؤں کے عزیزوں کو قربان ہونے کے لئے چھوڑ دیا

بلافریس :- (نہایت بے پروائی سے) دیوتاؤں کے رشتہ دار قربان ہو جانے کے لئے نہیں ٹھہرے - بھائی یہ طاقتوروں کی، جنگ نہیں تھی، بلکہ دوڑ تھی سب سے زیادہ تیز آدمیوں کی - رومیوں نے جن کے پاس رتھ نہیں تھے ہمارے تعاقب میں سواروں کا ایک دستہ روانہ کیا اور مجمع کو قتل کر ڈالا تب ہمارے بڑے دیوتاؤں کے سردار نے بارہ دیوتاؤں کے رشتہ داروں کو روانہ کیا - اور یہ کہلا بھیجا کہ ہم لڑتے ہوئے مر جائیں - میں نے جی میں کہا کہ بہ نسبت اس کے کہ میں اپنے ہوش و حواس کھو دوں، اور پشت پر زخم کھاؤں، سامنے مقابلہ کرنا بہتر ہے اس لئے میں نے اپنے سردار کا ساتھ دیا اور وہیں کھڑا رہا تب رومیوں نے ہمارے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا - کیونکہ کوئی شخص شیر پر اس وقت حملہ نہیں کرتا جب سارا میدان بھیڑ اور بکریوں سے بھر جائے، الغرض اس طرح ہم اپنی جان بچا کر بھاگے - اور میں اب اس امر کی اطلاع دینے آیا ہوں کہ تم کو سیزر کے استقبال کے لئے اپنے پھاٹک کھول دینے چاہئیں - کیونکہ اس کا ہراول ایک گھنٹہ کے اندر ہی یہاں پہونچ جائے گا - اور مصر کا کوئی جوانمرد زندہ نہ بچے گا -

سنتری :- آہ افسوس ! (وہ اپنی برچھی زمین پر پھینک دیتا ہے اور محل کی طرف بھاگتا ہے)

بلزنار :- اس کو دروازہ میں کیلوں سے جڑ دو - جلدی (محافظ برچھیاں لیکر اس کی طرف دوڑتے ہیں لیکن وہ ان سے زیادہ تیز دوڑتا ہے) اب یہ خبر آگ کی طرح محل میں پہنچ جائے گی -

بلافریس :- ہمیں عورتوں کو رومیوں سے بچانے کے لئے کیا کرنا چاہیے ؟

بلزنار :- ان کو مار کیوں نہ ڈالیں ؟

عجمی :- مگر ان میں سے بعض کے لئے ہمیں تاوان دینا پڑے گا - اس لئے بہتر ہے کہ رومی ہی ان کو قتل کر ڈالیں - اس طرح سستے چھوٹ جائیں گے -

بلزنار :- (اس کی ذہنیت سے مبہوت ہو کر) او مکار او سانپ !

بلافریس :- لیکن تمھاری ملکہ ؟

بلزنار :- سچ ہے، ہمیں کلیوپیٹرا کو لیکر بھاگ جانا چاہئے

بلافریس :- کیا تم اس کے فرمان کا انتظار کرو گے ؟

بلزنار :- فرمان ! ایک سولہ برس کی لڑکی کا ——— نہیں ہم انتظار نہیں کریں گے - میں اُسے اپنے گھوڑے پر بٹھا کر لے جاؤنگا اور جب ہم لوگ اُسے سیزر کی دسترس سے باہر لیجائیں گے ———

عجمی :- مجھ سے سنو بلزنار -

بلزنار :- بول، کیا کہتا ہے ؟

عجمی :- کلیوپیٹرا کا بھائی ٹالمی اس سے برسرِ پیکار ہے آؤ ہم اُسے ٹالمی کے ہاتھ بیچ ڈالیں -

محافظ :- او مکار، او سانپ - !

بلزنار :- ہم میں اس کی جرأت نہیں - ہم دیوتاؤں کی نسل سے ہیں - لیکن کلیوپیٹرا دریائے نیل کی نسل سے ہے - اور اگر دریائے نیل میں طوفان اور سیلاب نہ آئیں تو پھر ہمارے باپ داداؤں کی زمینوں میں غلہ نہ پیدا ہو - ——— اور ہماری زندگی کتوں سے بدتر ہو جائے -

عجمی :- یہ سچ ہے ———

——— لیکن مجھ سے ایک بات اور سنو - او سیریس کے عزیزو -

محافظ :- بول،

عجمی :- کیا میں نے ابتک تم سے سیزر کے متعلق سچ سچ نہیں کہا ؟

محافظ :- بالکل سچ ! بالکل سچ !

بلزنار :- (اعتراف کرتے ہوئے) یہی بلزنار بھی کہتا ہے -

عجمی :- تو اس کے متعلق اور سنو سیزر عورتوں کا بہت شیدائی ہے وہ ان کو بہت عزیز رکھتا ہے یہ انسے مشورہ لیتا ہے -

بلزنار :- اوہ - مگر یہ عورتوں کی حکمرانی تو مصر کو تباہ کر کے رکھ دیگی -

عجمی :- مگر نہیں - سیزر اب معمر ہوتا جا رہا ہے - وہ پچاس برس سے زیادہ بڈھا ہو گیا ہے - وہ جوان عورتوں کی لئے بہت ضعیف ہے - اور بڈھی عورتیں اس قدر عقلمند ہیں کہ وہ اس کی پرستش نہیں کر سکتیں

بلافریس :- عجمی ذرا ہوشیاری سے کام لے سیزر اب ہم سے صرف بالشت بھر کے فاصلہ پر ہے -

عجمی :- کلیوپیٹرا بھی جوان عورت نہیں ہے - اور نہ عقلمند ہی ہے تاہم وہ عقلمندوں کو چکر میں ڈالدیتی ہے -

بلزناز :- ہاں یہ اس لئے کہ وہ دریائے نیل کی نسل سے ہے پھر کیا ہو ؟

عجمی :- وہ یہ کہ ہم خفیہ طور پر اُسے ٹالمی کے ہاتھ فروخت کر دیں اور پھر اپنے آپ کو سیزر کے سامنے رضا کار کے طور پر پیش کریں اور ٹالمی کو تخت سے اتارنے اور کلیوپیٹرا کو تخت نشین کرنے کے لئے لڑیں

محافظ :- او سانپ !

عجمی :- اگر ہم ملکہ کی تصویر اپنے منھ میں دبا کر اس کے پاس جائیں تو وہ ہماری سنئے گا - وہ فتح کر کے کلیوپیٹرا کے بھائی کو مار ڈالے گا - اور مصر میں ملکہ کے ساتھ حکمرانی کرے گا - اور ہم اس کے محافظ ہوں گے -

محافظ :- او سب سے زیادہ ہوشیار سانپ -

بلافریس :۔ تمھاری باتیں ختم ہونے سے قبل ہی وہ نازل ہوجائیگا ! او باتیں بنانے والو !

بلزنار :۔ یہ سچ ہے ۔ (محل کا ایک خوفناک شور اس کی گفتگو میں خلل پیدا کر دیتا ہے) دروازہ کی حفاظت کرو

(سپاہی دروازہ کی طرف دوڑتے ہیں اور اس طرف اپنی برچھیوں کی نوکیں لگا کر کھڑے ہوجاتے ہیں ۔ عورتوں اناؤں اور خادماؤں کا گروہ نمودار ہوتا ہے جو آگے ہیں وہ برچھیوں سے خوفزدہ ہو کر پیچھے والیوں کو پیچھے ہٹنے کے لئے شور کرتی ہیں ، جب بلزنار چلاتا ہے تو اس کی آواز سب پر غالب آتی ہے)

واپس جاؤ ۔ اندر جاؤ ۔ بے مصرف جانورو ——

فتاتا ، ملکہ کی خاص اتا کو ہمارے پاس بھیجو ۔

عورتیں :۔ (محل میں پکار کر) فتاتا ، فتاتا ، آؤ ۔ آؤ بلزنار سے باتیں کرو ۔

ایک عورت :۔ اوہ پیچھے رہو ۔ تم مجھے برچھیوں کی نوک پر ڈھکیلے دیتی ہو ۔

(ایک بڈھی ، جسیم ، قد آور ، مضبوط عورت جس کے چہرہ پر جھریوں کا ایک جال سا بن گیا ہے ہاتھوں کی رگیں ابھری ہوئی ہیں ۔ منھ شکاری کتے کی طرح ، اور جبڑے بلڈاگ کے مانند کھلے ہوئے ہیں محافظوں کو بہت غصہ سے ڈانٹتی ہے ۔)

فتاتا :۔ ملکہ کی خاص انا کے لئے راستہ صاف کرو ۔

بلزنار :۔ (سنجیدہ تکبر سے) فتاتا ، تجھے معلوم ہے کہ میں ملکہ کے محافظوں کا سردار اور دیوتاؤں کی نسل سے ہوں ۔

فتاتا :۔ (تمکنت کے ساتھ) بلزنار ، میں ملکہ کی خاص انا فتاتا ہوں ۔ تمھارے آبا و اجداد اُن بادشاہوں کے ہرموں میں ، جنکی میرے والد نے اطاعت کی ہے ، منقوش کئے جانے پر خوش ہوتے تھے ۔ (عورتیں فتحمندانہ طور پر ہنستی ہیں)

بلزنار :۔ (دانت پیسکر طنز سے) فتاتا زبان دراز ، کوتاہ چشم کی بیٹی ! رومی سر پر آپہنچے ہیں ۔ (عورتیں خوف سے چیخ مارتی ہیں اور وہ بھاگ جانے کی کوشش کرتی ہیں لیکن برچھیوں کی وجہ سے پھر مجبوراً ٹھہر جاتی ہیں) اور خود دیوتاؤں کی اولاد ان کو روک نہیں سکتی کیونکہ ان میں ہر آدمی کے سات ہاتھ ہیں اور ہر ایک کے پاس سات سات برچھیاں ہیں ۔ خون ان کے جسم میں پگھلنے والے پارہ کی طرح ابل رہا ہے اور ان کی بیویاں تین گھنٹے میں ماں بنجاتی ہیں ۔ دوسرے روز قتل کر ڈالی جاتی ہیں اور کھالی جاتی ہیں ۔ (عورتوں پر ایک خوف طاری ہوجاتا ہے ۔ فتاتا سپاہیوں کو نفرت سے دیکھکر بھیڑ میں اپنے لئے راستہ نکالنے لگتی ہے ، اور برچھیوں کا خوف نہیں کرتی ۔)

فتاتا :۔ تو اے معمولی مٹی کے بنے ہوئے دیوتاؤں کے بزدل لڑکو ، بھاگ جاؤ اور اپنی جان بچاؤ ۔ ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو

بلزنار :۔ نہیں جب تک تم ہمارے حکم کی تعمیل نہ کرو یہ نہیں ہوسکتا ۔ ملکہ کلیوپیٹرا کو ہمارے پاس لاؤ ۔ اور پھر جہاں تمھارا جی چاہے چلی جاؤ ۔

فتاتا :۔ (ایک نفرت آمیز قہقہہ کے ساتھ) ہاں

...ب مجھے معلوم ہوا کہ دیوتا کیوں اُسے لے گئے -؟
...محافظ ایک دوسرے کو متعجب انداز سے دیکھنے
...لگتے ہیں -) او بیوقوف سپاہی! تجھے جان لینا
...یا ہے کہ ملکہ غروب آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد ہی
...ائب ہوگئی ہے -

...زنار :- (غضبناک ہوکر) ڈائن - تونے اسے سیزر
...ٹالمی کے ہاتھ فروخت کردینے کے لئے چھپا دیا ہے
...اس کی بائیں کلائی پکڑ لیتا ہے اور چند محافظوں کی
...دسے کھینچتے ہوئے صحن کے درمیان لاتا ہے جہاں
...ہ اُسے گھٹنوں کے بل گرا دیتے ہیں - وہ ایک خوفناک
...اقو نکالتا ہے) وہ کہاں ہے؟ وہ کہاں ہے؟

(وہ اس کی گردن جدا کر دینے کو ڈراتا ہے -)

...اتا :- کتے، مجھے ہاتھ لگایا تو یاد رکھ نیل میں سات
...س تک سیلاب نہ آئے گا -

...زنار :- (خوفزدہ ہوکر عجمی سے) تمھارے باپ دادا
...ی زمینیں نیل سے بہت فاصلہ پر ہیں - تم اس کو
...ل کردو -

...ی :- (چاقو نکال کر) ایران کا صرف ایک خدا ہے
...ن بوڑھی عورتوں کا خون اسے بہت مرغوب ہے!
...س کلیوپیٹرا کہاں ہے؟

...ا تا :- اے عجمی، او سیریس دیوتا سے پوچھ جس کی
...قدس بلیوں کو گود میں لینے کی وجہ سے ہمیں یہ اذیتیں
...زل ہوئیں - میں نے ملکہ سے کہا تھا کہ جب رومی یہاں
...یں گے تو وہ اپنے انکار کی سرزنش میں یہاں تن تنہا
...وڑ دی جائیگی، چنانچہ اب وہ چلی گئی ——

بھاگ گئی - چھپ گئی - میں سچ کہتی ہوں، میں
اسیریس کو گواہ ٹھہراتی ہوں -

عورتیں :- (حاکمانہ طور پر اعتراض کرتے ہوئے) وہ سچ
کہتی ہے - بلزنار!

بلزنار :- تم نے لڑکی کو ڈرا دیا ہے وہ چھپی ہوئی ہے
تلاش کرو - جلد —— محل میں - کونا کونا ڈھونڈ ڈالو -

(سب محافظ بلزنار کی رہنمائی میں، محل کے اندر
داخل ہوتے ہیں، عورتیں صحن کے دروازہ سے
باہر بھاگنے کی کوشش کرتی ہیں)

فتاتا :- (چلاکر) اس قدر بے حرمتی - ملکہ کے محل میں
اس طرح آدمیوں کی بھرمار!

(عجمی اس کی گردن پر چاقو رکھتا ہے وہ چپ ہو
جاتی ہے)

بلافریس :- (فتاتا کے بائیں شانے پر ہاتھ رکھکر) اے
عجمی ایک لمحہ کے لئے ٹھہر جا (فتاتا سے) مادر مہربان
اب تمھارے سب دیوتا سو گئے ہیں - یا شکار کھیلنے چلے
گئے ہیں اور تلوار تمھاری گردن پر ہے - اس لئے جاؤ
ملکہ کو ڈھونڈ کر ہمارے پاس لے آؤ تاکہ تمھاری جان
بخشی کردی جائے -

فتاتا :- (نفرت انگیز لہجہ میں) اگر بڑے دیوتاؤں کا منشاء
نہیں ہے تو ایک بیوقوف کے ہاتھ میں تلوار کب رہ سکتی
ہے؟ سنو او ناسمجھ جوانو - میری باتیں توجہ سے سنو -
کلیوپیٹرا مجھسے خود ڈرتی ہے لیکن میری بہ نسبت وہ
رومیوں سے زیادہ خائف ہے - صرف ایک ہی ہیبت انگیز زبردست
طاقت اس کی آنکھوں میں ہے جو ابوالہول دیوتا کی وجہ سے

اُسے حاصل ہے۔ وہ دیوتا جو ریگستان میں بیٹھا رہتا ہے اور سمندر جانے والے راستہ کی نگہبانی کرتا ہے۔ جو کچھ کلیوپیٹرا اس سے پوچھنا چاہتی ہے، اسے مقدس بلیوں کے کان میں کہدیتی ہے۔ اور سالگرہ کے روز وہ ابوالہول دیوتا پر اپنے چڑھاوے چڑھاتی ہے۔ اس لئے تم لوگ اس ریگستان میں جاؤ اور کلیوپیٹرا کو ابوالہول کے سایہ میں تلاش کرو۔ مگر یہ خیال رہے کہ اس لڑکی کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچنے پائے۔

بلافریس :۔ (عجمی سے) او ہوشیار مرد، کیا ہم اس پر یقین کریں۔

عجمی :۔ رومی کس طرف سے آرہے ہیں ؟

بلافریس :۔ سمندر سے، ریگستان کے راستہ سے، جو ابوالہول دیوتا کے نزدیک سے گزرتا ہے۔

عجمی :۔ (فتاتا سے) او عیار تو نے یہ کہانی اس لئے گھڑی ہے کہ ہم دونوں ریگستان جائیں اور رومیوں کی برچھیوں کا نشانہ بنکر ختم ہوجائیں (چاقو اٹھاکر) لے موت کا مزہ چکھ

فتاتا :۔ مگر لڑکے تیرے ہاتھوں سے نہیں۔

(وہ عجمی کے ہاتھ کو زور سے جھٹکا دیکر محل کے اندر بھاگ جاتی ہے اور اندھیرے میں غائب ہوجاتی ہے بلافریس عجمی کو قلابازی کھاتا دیکھکر ایک خوفناک قہقہہ لگاتا ہے۔ سپاہی بلزنار کے ہمراہ بہت سے قیدیوں کو لئے ہوئے محل سے باہر کی طرف جاتے ہیں)

عجمی :۔ کیا کلیوپیٹرا مل گئی ؟

بلزنار :۔ نہیں وہ بھاگ گئی۔ ہم نے کونا کونا چھان مارا مگر وہ نہیں ملی۔

جشنی پہرہ دار :۔ (محل کے پھاٹک پر آکر) مصیبت۔ آفت۔ بھاگو۔ بھاگو۔

بلزنار :۔ کیا خبر ہے ؟

پہرہ دار :۔ مقدس سفید بلی چُرالی گئی۔

سب مل کر :۔ افسوس ! افسوس !

(ایک عام انتشار ــــ سب غصّہ سے چیختے ہوئے بھاگتے ہیں۔ بھیڑ میں مشعل پھینکدی جاتی ہے اور وہ گل ہوجاتی ہے ــــ تاریکی ــــ قیدیوں کی آوازیں آنی بند ہوجاتی ہیں ــــ کامل سکوت ــــ وقفہ ــــ خاموشی اور تاریکی کا طلسم ٹوٹتا ہے۔ روشنی اب زیادہ صاف ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ مجسمہ ابوالہول کی بڑی بڑی آنکھیں نظر آنے لگتی ہیں، جو سامنے غیر محدود فضا میں نگرانی کر رہا ہے۔ اس کے پاؤں پر ایک لڑکی بے حس و حرکت لیٹی ہوئی ہے۔ جس کے مختصر بال اس طرح چمک رہے ہیں، جیسے چاندنی میں کسی طائر کے پر و بال۔ ناگہاں بہت دور سے ایک خوفناک آواز سنائی دیتی ہے۔ سکوت ــــ پھر چند بگلوں کی آوازیں آتی ہیں ــــ پھر سکوت ــــ پھر ایک آدمی دبے پاؤں جنوب کی طرف سے آتا ہے اور خیالات کی کشمکش میں کھویا ہوا ابوالہول دیوتا کے بائیں جانب کھڑا ہوجاتا ہے اور اس کا سینہ

ابوالہول کے بازو کے پیچھے چھپ جاتا ہے ۔)

اجنبی :- اے ابوالہول ، جولیس سیزر کی طرف سے بندگی قبول ہو ۔ میں اس کھوئے ہوئے مقام کی تلاش میں پھرتا رہا ہوں ، جہاں سے مجھے جلاوطن کر دیا گیا ہے ۔ مجھے ایسے لوگوں کی صحبت ضرور ملی جیسا میں خود ہوں ، لیکن آج تک دوسرا سیزر نہیں ملا ۔ مجھے کہیں کی ہوا میں وطنیت کی بو نہیں آتی ۔ کوئی انسان مجھے اپنا رشتہ دار نہیں معلوم ہوتا ۔ کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو دن بھر میری طرح کام کر سکے ، اور رات بھر خیالات کا ہجوم دماغ میں پیدا کرتا رہے ۔ اس مختصر دنیا میں اے ابوالہول میرا مرتبہ اتنا ہی بلند ہے جتنا تیرا اس ریگستان میں ، فرق یہ ہے کہ میں ہمیشہ آوارہ گردی کرتا رہتا ہوں اور تو ایک جگہ ساکت بیٹھا ہوا ہے ۔ میں فتح کرتا رہتا ہوں اور تو قناعت سے کام لیتا ہے ۔ میں کام کرتا اور متعجب ہوتا ہوں تو نگہبانی کرتا ہے اور انتظار کرتا ہے ۔ میں اوپر دیکھتا ہوں اور آنکھیں چوندھیا جاتی ہیں ۔ نیچے دیکھتا ہوں اور ان میں اندھیرا چھا جاتا ہے ۔ چاروں طرف دیکھتا ہوں اور ایک کشمکش میں گرفتار ہو جاتا ہوں ۔ اس کے برعکس تیری آنکھیں کبھی نہیں تھکتیں —— اس لئے اے ابوالہول ، تو اور ہم ہر چند انسانی اقوام سے بیگانہ ہیں —— لیکن ایک دوسرے سے بیگانہ نہیں ہیں ۔ کیا میرے دل میں ، پیدائش کے وقت سے تیرے اور اس مقام کے متعلق خیالات پیدا نہیں ہوتے رہے ہیں ؟ روم ایک پاگل کا خواب ہے ، یہ میرا اعتقاد ہے تیری ان ستارہ نما چراغوں کو ، میں نے بہت دور برطانیہ ، اندلس اور تھیسلی سے دیکھا ہے ۔ تو نے اپنے بعض پرستاروں کو بعض بہت بڑے راز بتا دیئے ہیں اے میری زندگی کے غیر فانی حصہ کے مجسمے ، اے خیالات سے معمور ۔ اور اے اس ریگستان میں تنہا زندگی بسر کرنے والے ابوالہول ! میں رات کی تاریکیوں میں پہاڑوں پر چڑھا ہوں ، تاکہ بہت دور آندھیوں کے دبے پاؤں چلنے کی آوازیں سن سکوں ، جو تیری ریت کو اپنے کھیل کود سے منتشر کرتی پھرتی ہیں —— میرا اس راستہ پر آنا مقدر میں تھا ۔ کیونکہ میں وہی ہوں جس کی اعلیٰ ذہنیت کی تو ایک نشانی ہے ۔ کیا اے ابوالہول ، میں نے تیرے معمہ کو حل کر لیا ہے ۔

لڑکی :- (جو بیدار ہو چکی ہے جھانک کر دیکھتی ہے کہ کون بول رہا ہے) بڈھے شریف آدمی ؟

سیزر :- (گھبرا کر تلوار کے دستہ پر ہاتھ رکھ کر) غیر فانی دیوتا ؟

لڑکی :- بڈھے شریف آدمی ۔ مت بھاگو ۔

سیزر :- (گھبرا کر) بڈھے آدمی مت بھاگو ! یہ سب کچھ جولیس سیزر سے کہا جا رہا ہے

لڑکی :- بڈھے شریف آدمی !

سیزر :- اے ابوالہول تو بہت زیادہ ضعیف ہے اور میں تجھ سے کم عمر ہوں ۔ مگر تیری آواز اب بھی ایک لڑکی کی سی ہے ۔

لڑکی :- یہاں چڑھ کر آؤ ۔ جلدی ، ورنہ رومی آکر تم کو زندہ نگل لیں گے "

سیزر:۔ (آگے بڑھ کر لڑکی کو دیکھتے ہوئے) اوہ، ابوالہول کے سینہ پر ایک لڑکی - ایک آسمانی مخلوق!

لڑکی:۔ جلدی اوپر آؤ۔

سیزر:۔ (تعجب سے) تم کون ہو؟

لڑکی:۔ کلیوپیٹرا۔ مصر کی ملکہ!

سیزر:۔ یعنی یونانوں کی حکمراں!

کلیوپیٹرا:۔ تمھیں میری توہین نہ کرنی چاہیئے۔ ورنہ ابوالہول تم کو رومیوں سے ہلاک کرا دیگا۔ اوپر آؤ یہ مقام بہت آرام دہ ہے۔

سیزر:۔ (آپ ہی آپ) کیسا خواب ہے؟ کسقدر پُرلطف خواب ہے۔ کاش میں اس خواب سے بیدار نہ ہوں"

(وہ ابوالہول کے نیزہ پر چڑھتا ہے اور پھر اس کا داہنا بازو پھاند کر لڑکی کے پاس پہنچ جاتا ہے)

کلیوپیٹرا:۔ ہاں اب ٹھیک ہے، بیٹھ جاؤ۔ تمھارے لئے اس کا دوسرا پاؤں بھی بیٹھنے کے لئے خالی ہوسکتا ہے یہ بہت مضبوط ہے اور ہم کو بچا سکتا ہے۔ لیکن (کانپتے ہوئے تنہائی کی دہشت سے) وہ میرا کوئی خیال نہ کریگا۔ مجھے نہ اپنی صحبت میں رکھیگا۔ مجھے مسرت ہے کہ تم آگئے ہو۔ میں اپنی تنہائی سے بہت بے چین تھی۔ کیا تم نے کہیں کسی سفید بلی کو دیکھا ہے؟

سینزر:۔ (تعجب سے، داہنے پاؤں پر آہستہ بیٹھکر) کیا تمھاری کوئی بلی کھو گئی ہے؟

کلیوپیٹرا:۔ ہاں سفید مقدس بلی۔ کیا یہ خوفناک بات نہیں ہے؟ میں یہاں اسے ابوالہول کی قربانی کے لئے لائی تھی۔ لیکن جب ہم شہر سے کچھ دور نکل گئے تو ایک سیاہ بلی نے اُسے پکارا وہ میرے ہاتھوں سے نکل کر اس کے پاس بھاگ گئی۔ کیا تمھارا خیال ہے کہ وہ سیاہ بلی میری نانی کی نانی تھی"

سیزر:۔ (گھورتے ہوئے) تمھاری نانی کی نانی؟

ہاں کیوں نہیں؟ مجھے آج رات کوئی چیز متعجب نہیں کر سکتی۔

کلیوپیٹرا:۔ میں خیال کرتی ہوں کہ اس سے تم کو متعجب ہونا چاہیئے تھا۔ میری نانی کی نانی سفید مقدس بلی کا سیاہ بچہ تھی۔ اور نیل دیوتا نے اسے اپنی ساتویں بیوی بنایا تھا۔ اسی لئے میرے بال اس قدر لہردار ہیں اور میں ہمیشہ یہی چاہتی ہوں کہ جو کچھ میں کرنا چاہوں مجھے کرنے دیا جائے، خواہ اس میں دیوتاؤں کی مرضی شامل ہو یا نہیں۔ کیونکہ میرا خون نیل کے پانی سے بنایا گیا ہے۔

سیزر:۔ تم یہاں رات کی ایسی وحشتناک تاریکی میں کیا کر رہی ہو؟ کیا تم یہاں رہا کرتی ہو؟

کلیوپیٹرا:۔ حقیقت میں تو ایسا نہیں ہے، میں ملکہ ہوں اور جاکر اپنے قصر میں رہونگی۔ مگر شرط یہ ہے کہ میں اپنے بھائی کا خاتمہ کر دوں کیونکہ اس نے مجھے وہاں سے بھگا دیا ہے اور جب میری عمر اور زیادہ ہو جائیگی تو جو کچھ میرا دل چاہیگا کرونگی۔ میں غلاموں کو زہر دیدونگی اور ان کو تڑپ تڑپ کر جان دیتے ہوئے دیکھونگی، اور فتاتا سے کہوں گی کہ دیکھ اب تو آگ کی بھٹی میں

ڈال دی جائے گی۔

سیزر:- ہوں! اس وقت تک تم اپنے گھر جاکر بستر پر کیوں نہیں لیٹیں۔؟

کلیوپیٹرا:- اس لئے کہ رومی ہم سب کو نگلنے آرہے ہیں مگر تم بھی تو اپنے گھر میں نہیں ہو، اور نہ اپنے بستر پر؟

سیزر:- (مطمئن انداز سے) ہاں، میں تو ایک خیمے میں رہتا ہوں اور اِس وقت اُسی کے اندر گہری نیند میں ڈوبا ہوا ہوں اور خواب دیکھ رہا ہوں۔ کیا تم یہ سوچتی ہو کہ مجھے تمھاری اصلیت پر یقین ہے"۔

کلیوپیٹرا:- (اس کی طرف بڑھتے ہوئے) تم ایک ظریف بڈھے آدمی ہو۔ میں تمھیں بہت پسند کرتی ہوں۔

سیزر:- اوہ! تمھارا یہی کہنا تو میرے خواب کو، خواب پریشاں بنا دیتا ہے۔ تم یہ خواب کیوں نہیں دیکھتیں کہ میں جوان ہوں؟

کلیوپیٹرا:- میں چاہتی ہوں کاش تم جوان ہوتے! میں یہ سوچتی ہوں کہ مجھے تم سے اور زیادہ ڈرنا چاہئے میں آدمیوں کو ضرور پسند کرتی ہوں۔ مگر صرف جوان آدمیوں کو جنکے شانے طاقتور اور گول ہوں، بازو خوبصورت ہوں۔ تم بڈھے آدمی ہو اور کسی حد تک کمزور۔ لیکن تمھاری آواز بہت دلکش ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ کوئی شخص مجھ سے باتیں کرتا رہے۔ گو میرا خیال ہے کہ تم کسی قدر دیوانے بھی ہو۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ چاند ہے جو تم کو ایسی دیوانی باتیں کرنے پر مجبور کر رہا ہے

سیزر:- کیا تم نے سنا تھا ——— جب میں ابوالہول دیوتا کی عبادت اور تعریف کر رہا تھا

کلیوپیٹرا:- لیکن یہ بڑا ابوالہول نہیں ہے۔

سیزر:- (مجسمے کی طرف دل شکستہ انداز سے دیکھکر) کیا؟

کلیوپیٹرا:- یہ تو ابوالہول کی ایک بلی کا چھوٹا بچہ ہے۔ کیوں؟ - بڑا ابوالہول تو اتنا بڑا ہے کہ اس کے پنجوں کے بیچ میں ایک بڑا مندر تعمیر کیا گیا ہے، یہ میرا عزیز ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تمھاری دانست میں رومیوں کے پاس ایسے جادوگر ہیں جو ہم کو اپنے جادو کے ذریعہ ابوالہول سے الگ کرسکیں؟

سیزر:- کیوں؟ کیا تم رومیوں سے ڈرتی ہو؟

کلیوپیٹرا:- (بہت سنجیدگی سے) اوہ- وہ اگر ہم کو پاجائیں تو زندہ نگل جائیں۔ وہ ظالم ہوتے ہیں ان کا سردار جولیس سیزر کہلاتا ہے۔ اس کا باپ ایک شیر تھا اور اس کی ماں ایک آتشی پہاڑ اس کی ناک ہاتھی کی سونڈ کی طرح لمبی ہے۔

(سیزر غیرارادی طور پر اپنی ناک ٹٹولنے لگتا ہے)

اور وہ کیا سب رومیوں کی ناکیں لمبی ہوتی ہیں۔ اُن کی دُمیں چھوٹی ہوتی ہیں اور ہر ایک کے سات ہاتھ ہوتے ہیں۔ اور ہر ہاتھ میں سو سو تیر ہوتے ہیں۔ اور وہ انسان کے گوشت پر زندگی بسر کرتے ہیں۔

سیزر:- اگر تم مجھے اجازت دو تو میں تمھیں ایک اصل رومی کو دکھاؤں!

کلیوپیٹرا:- (مبہوت ہوکر) نہیں- تم مجھے ڈرا رہے ہو!

سیزر:- کوئی ہرج نہیں- یہ صرف ایک خواب ہے۔

کلیوپیٹرا:- (گھبراتے ہوئے) یہ خواب نہیں ہے۔

یہ خواب نہیں ہے۔ دیکھو۔ دیکھو۔

(وہ اپنے بالوں سے ایک آلپین نکال کر سیزر کے بازو میں چبھو دیتی ہے)

سیزر:۔ ہا ہا۔ ٹھہرو (غصہ سے) تم نے یہ کیا حرکت کی؟

کلیوپیٹرا:۔ (شرمندہ ہو کر) تم نے کہا تم خواب دیکھ رہے ہو میں تم کو یہی بتانا چاہتی تھی کہ ——

سیزر:۔ (نرمی سے) ادھر آؤ۔ ادھر، روتی کیوں ہو؟ ایک ملکہ کو رونا نہ چاہیئے (وہ اس حقیقت کے انکشاف پر اپنے دونوں ہاتھ ملنے لگتا ہے) کیا واقعی میں بیدار ہوں؟ (وہ اس حقیقت پر یقین کرنے کے لئے اپنا ہاتھ ابوالہول پر ٹکتا ہے) نہیں۔ ناممکن۔ دیوانگی۔ پاگل پن۔ (رنجیدہ ہو کر) خیمے کو واپس —— خیمے کو۔

(وہ پتھر کے تخت سے نیچے کودنے کو اٹھتا ہے)

کلیوپیٹرا:۔ (خوفزدہ ہو کر اس کو دونوں ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے) نہیں۔ تمھیں اکیلا چھوڑ کر نہ جانا چاہیے نہیں نہیں مت جاؤ۔ میں ڈرتی ہوں میں رومیوں سے بہت ڈرتی ہوں۔

سیزر:۔ (یہ یقین کرنے کے لئے وہ حقیقت میں بیدار ہے) کلیوپیٹرا کیا تمھیں میرا چہرہ صاف نظر آتا ہے؟

کلیوپیٹرا:۔ ہاں چاندنی میں وہ اور سفید نظر آتا ہے۔

سیزر:۔ کیا تمھیں یقین ہو کہ چاندنی نے میرے چہرہ کو

کو اہل مصر کے چہرہ سے زیادہ گورا بنادیا ہے (اضطرا کے ساتھ) کیا تم یہ بھی دیکھتی ہو کہ میری ناک کچھ لمبی ہے۔

کلیوپیٹرا:۔ (ایک خوفناک شبہ سے متاثر ہو کر) اوہ!

سیزر:۔ یہ ایک رومی ناک ہے۔ کلیوپیٹرا۔

کلیوپیٹرا:۔ آہ (ایک دلخراش چیخ کے ساتھ وہ اچھل کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ ابوالہول کے بائیں بازو کی طرف جھپٹتی ہے۔ ریتیلی زمین پر کود پڑتی ہے۔ اور اپنے دونوں گھٹنوں پر جھک کر دردناک لہجے میں کہتی ہے) ابوالہول، اس کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دے اس کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دے۔ میرے کہنے کا مقصد سفید بلی سے ہے میرا مقصد اسی سے ہے۔ میں (سیزر پتھر کے چبوترے پر سے کود پڑتا ہے اور کلیوپیٹرا کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیتا ہے) آہ (وہ اپنا منہ اپنے ہاتھوں سے چھپا لیتی ہے)

سیزر:۔ کلیوپیٹرا۔ اگر کہو تو تمھیں ایک ایسی تدبیر بتاؤں جس سے تم سیزر کے مظالم سے محفوظ رہو۔

کلیوپیٹرا:۔ (اس سے لپٹ کر ملتجی انداز سے) ہاں ہاں بتاؤ۔ ضرور بتاؤ۔ میں فتاتا کے زیور جو اگر تم کو دیدونگی۔ میں دریائے نیل سے کہدونگی کہ وہ تمھارے کھیتوں کو سال میں دو بار شاداب کر دیا کرے۔

سیزر:۔ خاموش رہ۔ اے لڑکی۔ تیرے دیوتا بھی رومیوں سے ڈرتے ہیں۔ تم نے دیکھ لیا، کہ تیرے ابوالہول نے میرا کچھ نہیں بگاڑا۔ اور وہ مجھے تم کو سیزر کے پاس لیجانے سے منع نہ کر سکا۔

کلیوپیٹرا:- (رحم طلب کرتی ہوئی دھیمی آواز میں) تم نہ لیجاؤ گے؟ تم نے ابھی کہا کہ مجھے نہ لیجاؤ گے۔

سیزر:- سیزر عورتوں کو نہیں نگلتا۔

کلیوپیٹرا:- (امید افزا انداز سے خوش ہوکر) کیا!

سیزر:- (موثر انداز سے) لیکن وہ لڑکیوں کو نگل لیتا ہے (وہ غمزدہ ہوجاتی ہے) اور تم بلیوں کی ایک چھوٹی بیوقوف لڑکی ہو، تم کالی بلی کی نسل سے ہو۔ تم بلی بھی ہو اور لڑکی بھی۔

کلیوپیٹرا:- (کانپتے ہوے) تو کیا وہ مجھے نگل جائیگا۔

سیزر:- ہاں! جب تک تم اُسے یہ یقین نہ دلا دو کہ تم ایک عورت ہو۔

کلیوپیٹرا:- اوہ - تو تم میرے لئے کوئی جادوگر بلالاؤ تاکہ وہ مجھے عورت بنادے - کیا تم جادوگر ہو؟

سیزر:- شاید! لیکن اس میں بہت وقت صرف ہوگا۔ اور آج ہی رات کو تمھیں اپنے محل میں سیزر کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

کلیوپیٹرا:- نہیں۔ نہیں مجھ سے نہیں ہوسکتا۔

سیزر:- تمھارے دل میں خواہ کیسی ہی دہشت کیوں نہ پیدا ہو - اور سیزر کتنا ہی خوفناک کیوں نہ نظر آئے ——— تمھیں ایک بہادر عورت اور ایک عالی شان ملکہ کی طرح اسے نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔ اور تم کو اس سے ذرا بھی خوف محسوس نہ ہونا چاہئے۔ اگر تمھارا ہاتھ کانپا ——— اور تمھاری آواز بھرائی — تو - رات ہی اور موت (وہ رنجیدہ ہوجاتی ہے) لیکن اگر وہ تمھیں حکومت کرنے کے قابل سمجھیگا تو اپنے پاس تخت پر بٹھا لیگا - اور مصر کا سچا فرمانروا بنا دیگا۔

کلیوپیٹرا:- (ناامیدی سے) نہیں وہ میری اصلیت کو جان لیگا۔ وہ مجھے پہچان لیگا۔

سیزر:- (غمگین انداز سے) وہ عورتوں سے بہت جلد دھوکہ کھا جاتا ہے۔ عورتوں کی آنکھیں اس کی نظروں کو خیرہ کردیتی ہیں - وہ انھیں اس حالت میں نہیں دیکھتا جس میں وہ دراصل ہوتی ہیں۔ بلکہ اس حالت میں دیکھتا ہے، جس میں وہ خود انھیں دیکھنا چاہتا ہے۔

کلیوپیٹرا:- (اُمید افزا انداز سے) تو ہم اُسے دھوکہ دینگے میں فتاتا کے سر کا دوپٹہ اوڑھ لونگی اور وہ مجھے بالکل بڈھی عورت سمجھ لے گا۔

سیزر:- اگر تم ایسا کروگی تو وہ تمھیں فوراً نگل لیگا۔

کلیوپیٹرا:- لیکن میں اُسے جادو کی ایک ایسی روٹی دونگی جس میں سفید بلی کے سات بال بھی گوندھے گئے ہیں ور -

سیزر:- (قطع کلام کرتے ہوئے) اوہ - تم بڑی بیوقوف لڑکی ہو - وہ تمھیں اور تمھاری روٹی دونوں کو کھا جائیگا

(وہ متنفر انداز سے اس کی طرف سے رُخ پھیر لیتا ہی)

کلیوپیٹرا:- (دوڑکر اس کے ہاتھوں سے چمٹتے ہوے) مجھ پر مہربانی کرو۔ تم جو کہوگے میں وہی کرونگی - میں بالکل چپ چاپ رہونگی - میں تمھاری لونڈی بنجاؤنگی ———

(پھر ایک بار صحرا کی سنسان فضاؤں میں بگل کی خوفناک آواز بلند ہوتی ہے)

سیزر:- سنو - سنو۔

کلیوپیٹرا:- (کانپتے ہوے) یہ کیا تھا؟

سیزر:- سیزر کی آواز!

کلیوپیٹرا:۔ (اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے) چلو بھاگ چلیں ——— آؤ ۔ آہ ' آؤ ۔

سیزر:۔ جب تک تم سیزر کے استقبال کے لئے اپنے تخت پر نہیں بیٹھتیں ۔ اس وقت تک میرے ساتھ محفوظ ہو ۔ چلو مجھے اس طرف لے چلو ۔

کلیوپیٹرا:۔ (مسرور ہو کر) ہاں ۔ چلو میں ضرور لے چلونگی (پھر بگل کی آواز آتی ہے) اُف ' دیکھو دیوتا غضبناک ہو رہے ہیں ۔ کیا تم نہیں محسوس کرتے کہ زمین لرز رہی ہے ۔

سیزر:۔ یہ سیزر کی فوج کی رفتار ہے ۔

کلیوپیٹرا:۔ (اُسے کھینچتے ہوئے) اس طرف چلو ہمیں جاہیے کہ چلتے چلتے سفید بلی کو بھی تلاش کرتے چلیں ۔ اسی نے تم کو رومی بنا دیا ہے ۔

(سیزر اس کے ساتھ جاتا ہے ۔ اور وہ جس قدر آگے ریگستان میں بڑھتے جاتے ہیں ۔ بگل کی آواز اور زیادہ صاف سنائی دیتی ہے چاندنی پھیکی پڑ جاتی ہے اُفق پر سیاہی نمودار ہوتی ہے ۔ آسمان تاریکی کے پردہ میں روپوش ہو جاتا ہے اور کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا ۔ دفعتہً ایک مشعل کی روشنی ' بہت دور سے ان مصری ستونوں پر پڑتی ہے ۔ جو ایک شاندار غلام گردش کو سنبھالے ہوئے ہیں ۔ اس غلام گردش کے دوسرے کنارے پر ایک حبشی غلام مشعل لئے ہوئے نظر آتا ہے ۔ سیزر کلیوپیٹرا کے کہنے کے مطابق خاموشی سے اس کے ساتھ جاتا ہے وہ غلام گردش سے نیچے اترتے ہیں ۔ سیزر یہاں کے فن تعمیر کو غائر نگاہوں سے دیکھتا جاتا ہے ۔ ستون کے نقوش کو دیکھتا ہے آگے چلکر دیوار ایک گوشہ کی طرف مڑ جاتی ہے اور ایک اونچا برآمدہ نظر آتا ہے ۔ سیزر اپنے داہنے جانب تختِ شاہی دیکھتا ہے اور اس تخت کے پیچھے ایک دروازہ نظر آتا ہے ۔ تخت کی ہر دو جانب ایک سیدھا ستون ہے جس پر ایک شمع رکھی ہے)

سیزر:۔ یہ کون سا مقام ہے ؟

کلیوپیٹرا:۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں میں تختِ شاہی پر بیٹھتی ہوں ۔ جب میں شاہی لباس پہن کر تاج سر پر رکھتی ہوں

(غلام تخت کو دکھانے کے لئے مشعل بلند کرتا ہے)

سیزر:۔ غلام کو حکم دو کہ وہ شمع روشن کر دے ۔

کلیوپیٹرا:۔ (شرمندگی سے) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں حکم دے سکتی ہوں ؟

سیزر:۔ کیوں نہیں ! تم ملکہ ہو (وہ ہچکچاتی ہے) کہو

کلیوپیٹرا:۔ (ڈرتے ہوئے غلام سے) شمعیں روشن کرو ۔

فتاتا:۔ (تخت کے پیچھے سے یکایک باہر نکل کر) ٹھہر جاؤ

(غلام ٹھہر جاتا ہے وہ غضبناک انداز سے کلیوپیٹرا سے مخاطب ہوتی ہے جو شیر کے بچے کی طرح دبک جاتی ہے) یہ تیرے ساتھ کون ہے ؟ اور تو نے بلا میری اجازت کے شمعیں روشن کرنے کی جرأت کیونکر کی ؟ ۔

(کلیوپیٹرا خوف سے چپ رہتی ہے)

سیزر:۔ یہ کون ہے ؟

کلیوپیٹرا:۔ فتاتا ۔

فتاتا:۔ (نخوت سے) ملکہ کی خاص انا ' دایہ !

سیزر:۔ (قطع کلام کرکے) تمھارے غلام اور ملازم

سے اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اسے باہر نکال دو (غلام
ور کیا تو ملکہ کے حکم کی تعمیل نہیں کر رہا ہے؟ (غلام شمعیں روشن
رتا ہے۔ کلیوپیٹرا فتاتا کے خوف سے سہمی ہوئی کھڑی ہے) تم
لکہ ہو۔ اسے باہر نکال دو۔

کلیوپیٹرا:۔ (نرمی سے) پیاری فتاتا تمھیں ایک لمحہ کیلئے
باہر چلا جانا چاہئے۔

سیزر:۔ تم اسے باہر جانے کا حکم نہیں دے رہی ہو
لکہ اس سے درخواست کر رہی ہو۔ تم ملکہ نہیں ہو۔ تم
ل ہی جاؤ گی۔ لو میں جاتا ہوں خدا حافظ۔

(وہ جانے لگتا ہے)

کلیوپیٹرا:۔ (پکڑتے ہوئے) نہیں۔ نہیں۔ مجھے اکیلا چھوڑ
ے نہ جاؤ"

سیزر:۔ ایک رومی ایسی ملکہ کے پاس نہیں ہٹتا
اپنے خادموں سے ڈرتی ہو۔

کلیوپیٹرا:۔ میں ڈرتی نہیں ہوں۔ مجھے ذرا بھی خوف نہیں
لوم ہوتا۔"

فتاتا:۔ اچھا تو مجھے دیکھنا ہے یہاں کون ڈرتا ہے۔
کلیوپیٹرا!

سیزر:۔ او عورت اپنا سر جھکا کر باتیں کر کیا میں بھی
ئی بچہ ہوں جو مجھے دھمکاتی ہے (وہ کلیوپیٹرا کے پاؤں کے
س زمین کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ فتاتا کسی قدر مبہوت انداز
ں کھڑی رہتی ہے سیزر حبشی غلام کو پکارتا ہے۔ غلام حاضر
تا ہے) کیا تو ایک سر کاٹ سکتا ہے؟

(حبشی غلام نفی میں سر ہلاتا ہے اور اس کے دانت
باہر نکل آتے ہیں۔ سیزر میان سے تلوار کھینچ لیتا
ہے اور تلوار غلام کو دینے کے لئے بڑھتا ہے۔ پھر فتاتا
کو مخاطب کرتے ہوئے) کیا تو اپنی ہستی بھول گئی۔

(فتاتا کلیوپیٹرا کے سامنے سر تعظیم خم کر دیتی ہے)

فتاتا:۔ او عالی شان ملکہ، اپنی عظمت و حکمرانی کے زمانہ میں اپنی قدیم انا کو نہ بھول جانا۔

کلیوپیٹرا:۔ (تعجب سے دیکھتے ہوئے) جاؤ۔ چلی۔ جاؤ۔ جاؤ یہاں سے۔ (فتاتا اٹھتی ہے اور دروازے سے نکل کر واپس چلی جاتی ہے۔ کلیوپیٹرا اس کی تعظیم کو بے چینی سے دیکھتی ہے اور اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں کو ملنے لگتی ہے۔ پھر یکایک چیخ کرتے ہوئے) لاؤ مجھے کوئی چیز دو۔ میں اسے مار کر بھگاؤں۔

(وہ تخت سے ایک سانپ کی کھال اٹھا لیتی ہے
اور فتاتا کے پیچھے دوڑتی ہے اور سانپ کی کھال
کو گھماتی رہتی ہے۔ سیزر دوڑتا ہے اور اُسے
پکڑ لیتا ہے فتاتا بھاگ جاتی ہے)

کلیوپیٹرا:۔ (خود کو چھڑاتے ہوئے) میں کسی کو اس وقت ضرور ماروں گی۔ میں اس غلام کو ماروں گی۔ (وہ غلام کو مارتی ہے۔ غلام جان بچانے کو ادھر ادھر بھاگتا ہے آخر غلام گردش میں بھاگ کر جان بچاتا ہے۔ کلیوپیٹرا سانپ کی کھال پھینک دیتی ہے اور تخت کی سیڑھیوں پر دونوں ہاتھ ہلاتی اور چلاتی ہوئی چڑھنے لگتی ہے) آخر کار میں ایک سچی ملکہ۔ یعنی کلیوپیٹرا ہوں (سیزر اپنا سر ہلاتا ہے وہ سیزر کو تعریف کی نگاہوں سے دیکھنے لگتی ہے پھر وہ سیڑھیوں سے نیچے کود پڑتی ہے۔ اس کی طرف دوڑتی ہے اور اپنے دونوں بازو اس کی گردن میں ایک ادائے محبت و مسرت سے ڈال دیتی ہے۔ اور پھر جوش و مسرت سے کہتی ہے) آہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ کیونکہ تم نے مجھے

ملکہ بنا دیا۔

سیزر:- لیکن شہزادیاں تو صرف بادشاہوں سے محبت کرتی ہیں۔

کلیوپیٹرا:- لیکن میں اب ان سب آدمیوں کو جنھیں میں چاہتی ہوں، بادشاہ بنا سکتی ہوں میں تمھیں بھی بادشاہ بنا دونگی - میں اور بہت سے نوجوانوں کو بادشاہ بناؤنگی جن کے بازو خوبصورت اور طاقتور ہوں گے۔ اور جب میں ان سے بیزار ہو جاؤنگی تو انھیں تازیانے مار مار کر ہلاک کر دونگی - لیکن تم ہمیشہ بادشاہ بنے رہوگے میرے اچھے، مہربان، عقلمند بڈھے بادشاہ، (مضطرب انداز سے) کیا تم سیزر سے یہ نہ کہوگے - کہ میں ملکہ ہوں؟ ایک سچی ملکہ ہوں، سنو، ہم دونوں یہاں سے بھاگ چلیں اور جب تک سیزر یہاں سے چلا نہ جائے کہیں چھپے رہیں۔

سیزر:- اگر تم سیزر سے ڈرتی ہو۔ تو سچی ملکہ نہیں ہو اور اگر تم کسی ہرم کے پیچھے چھپ جاؤ گی تو بھی وہ سیدھا وہیں جا کر تم کو ڈھونڈے گا۔ اور ہرم کو ایک ہاتھ سے اٹھا لیگا۔

(وہ اپنے دانت پیستا ہے)

کلیوپیٹرا:- (کانپتے ہوئے) اوہ!

سیزر:- اگر تم ڈرتی ہو تو ڈرو - (بگل کی آواز سنائی دیتی ہے - وہ خوف سے چلا اٹھتی ہے - سیزر طعن آمیز لہجہ میں اظہار مسرت کرتے ہوئے) آہاہا - سیزر کلیوپیٹرا کے تخت کے پاس آرہا ہے - آؤ اپنی جگہ پر بیٹھو - (وہ کلیوپیٹرا کا ہاتھ پکڑ کر تخت کی طرف لیجاتا ہے کلیوپیٹرا اس قدر غمگین ہے کہ کچھ نہیں بولتی) ہوں - طیطا تو تا - تم اپنی خادمہ کو کس طرح پکارتی ہو؟

کلیوپیٹرا:- (بیدلی سے تخت پر بیٹھکر کانپتے ہوئے) تالی بجاؤ۔

(وہ تالی بجاتا ہے فتا تا واپس آتی ہے)

سیزر:- ملکہ کا لباس اور تاج لاؤ خادماؤں کو بلاؤ اور ملکہ کو سنوارو۔

کلیوپیٹرا:- (مسرور ہو کر) ہاں تاج فتا تا میں تاج سر پر رکھونگی۔

فتا تا:- ملکہ یہ سب کس کے لئے پہنے گی۔

سیزر:- ایک رومی کے لئے - ایک بادشاہوں کے بادشاہ کے لئے طوطا تیتا!

کلیوپیٹرا:- (فتا تا کو مارتے ہوئے) تجھے سوال کرنے کی جرأت کیونکر ہوئی؟ جا اور جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کر- (فتا تا دانت پیستی ہوئی جاتی ہے۔ کلیوپیٹرا آرزومندانہ انداز سے سیزر کے پاس جاتی ہے) تو جب سیزر میرا لباس اور تاج دیکھیگا تو اس کو معلوم ہو جائیگا کہ میں ملکہ ہوں! کیوں؟

سیزر:- نہیں اُسے کس طرح معلوم ہو گا کہ تم ایک ملکہ کے لباس میں کنیز نہیں ہو؟

کلیوپیٹرا:- تمھیں کہدینا چاہیے۔

سیزر:- وہ مجھ سے نہ دریافت کریگا - وہ خود کلیوپیٹرا کو اس کی عظمت و شان اور نخوتِ حسن سے پہچان لے گا۔ کیا تم کانپ رہی ہو؟

کلیوپیٹرا:- (خوف سے تھر تھر کانپتے ہوئے) نہیں میں

میں —— (نہایت دھیمی آواز میں) نہیں۔

(فتاتا اور تین عورتیں لباس وغیرہ لیکر آتی ہیں)

فتاتا:۔ ملکہ کی سب خادمائیں بھاگ گئیں۔ صرف یہی تین باقی رہ گئی ہیں۔

(وہ کلیوپیٹرا کو لباس پہنانے لگتی ہیں)

سیزر:۔ خیر۔ تین ہی کافی ہیں۔ غریب سیزر کو تو اپنا لباس خود ہی پہننا پڑتا ہے۔

فتاتا:۔ (حقارت سے) مصر کی ملکہ ایک ظالم رومی نہیں ہے۔ (کلیوپیٹرا سے) میری بچی دلیر بنی رہو۔ اور اپنا سر اس اجنبی کے سامنے بلند رکھو۔

سیزر:۔ (کلیوپیٹرا کی تعریف کرکے تاج اس کے سر پر رکھتے ہوئے) ایک ملکہ ہونا مسرت آفریں ہے یا تکلیف دہ۔ کلیوپیٹرا؟

کلیوپیٹرا:۔ تکلیف دہ!

سیزر:۔ خوف و دہشت کو دل سے دور کردو تو تم سیزر کو مفتوح کرلوگی، فتاتا کیا رومی قریب آگئے؟

فتاتا:۔ ہاں وہ بالکل قریب آگئے ہیں۔ اور پہرہ دار بھاگ گیا ہے۔

(حبشی غلام بھاگا ہوا آتا ہے)

غلام:۔ رومی احاطہ کے اندر آگئے ہیں۔

(ایک دروازہ سے نکل کر بھاگتا ہے۔ ایک چیخ کے ساتھ تینوں عورتیں اس کے پیچھے بھاگتی ہیں۔ فتاتا کے چہرہ سے خوف کا اظہار ہونے لگتا ہے کلیوپیٹرا ان کے پیچھے بھاگنے سے اپنے آپ کو نہیں روک سکتی۔ سیزر اس کی کلائی پکڑ لیتا ہے اور اُس کو گھورتا ہے۔ وہ ایک بچہ کی طرح چپ کھڑی ہو جاتی ہے)

سیزر:۔ ملکہ کو تنِ تنہا سیزر کا مقابلہ کرنا چاہیے جواب دو۔ "ایسا ہی ہوگا"

کلیوپیٹرا:۔ (خوف سے سفید ہوکر) ایسا ہی ہوگا۔

سیزر:۔ (اس کو چھوڑتے ہوئے) بہت خوب۔

(فوج کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ بگل کی آواز بالکل قریب آجاتی ہے۔ کلیوپیٹرا بہت خوفزدہ ہو جاتی ہے، وہ چیخ مار کر دروازہ کی طرف دوڑتی ہے فتاتا اُسے دوڑ کر پکڑ لیتی ہے)

فتاتا:۔ تم نے ابھی وعدہ کیا تھا کہ "ایسا ہی ہوگا" اور اگر تم اس کے لئے مر بھی جاؤ تو تمھیں ایک ملکہ کے الفاظ کو سچا ثابت کرنے میں پس و پیش نہ کرنا چاہیے۔

(وہ کلیوپیٹرا کو سیزر کے سپرد کر دیتی ہے جو اُسے تخت کی طرف واپس لے جاتا ہے کلیوپیٹرا دہشت کے مارے اپنے آپ میں نہیں رہتی)

سیزر:۔ اب اگر تم ہمت ہار دو گی ——

(وہ خود بھی اُس کے قریب تخت پر بیٹھ جاتا ہے وہ موت کا انتظار کرتی ہوئی خود فراموشی کے عالم میں سیڑھی پر کھڑی رہتی ہے۔ رومی سپاہی غلام گردش سے نکل کر شور و غل کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہیں جنکے ساتھ ان کا نقیب جھنڈا لئے ہوئے ہے اور بگلچی بھی ساتھ ہے جب وہ محل میں داخل ہوتے ہیں تو تعجب سے تخت کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو ایک صف میں ترتیب دے لیتے ہیں۔ اپنی تلواریں

میانوں سے کھینچ لیتے ہیں۔ اور "سیزر زندہ باد" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ کلیوپیٹرا رخ پھیر کر مبہوت نگاہوں سے سیزر کو دیکھتی ہے اور پھر اس منظر کو دیکھکر خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے سیزر کی آغوش میں گر پڑتی ہے۔)

ایکٹ دوسرا

اسکندریہ:-

محل کی پہلی منزل کا ایک دالان، جو ایک ایسے گوشے میں ختم ہوتا ہے جہاں دو سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس گوشے سے بحر قلزم نظر آتا ہے جس کی سطح صبح کی شعاعوں میں جھلمل جھلمل کر رہی ہے۔ دلکش مناظر، فرش اور ساز و سامان نے اس جگہ کو فرحت بخش، خوبصورت، سادہ اور ٹھنڈا بنا رکھا ہے۔

کمسن بادشاہ ٹالمی سیڑھیوں کے سرے پر دالان میں جانے کے لئے کھڑا ہے، اور اس کا سرپرست پوتھینس بھی اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہے۔

دربار اس کے استقبال کے لئے آراستہ ہے ایک جماعت میں، جو ٹالمی کی دائیں جانب ہے، سب سے بڑی شخصیت ٹالمی کے اتالیق تھیوڈوٹس کی ہے۔ دوسرا گروہ جو ٹالمی کی بائیں جانب ہے اس میں ٹالمی کی فوج کا سپہ سالار آچیلس سب کا سردار ہے۔ تھیوڈوٹس ایک پستہ قد ضعیف آدمی ہے جس کے خد و خال اتنے ہی مکروہ ہیں جتنے اس کے اعضا اور اس کا قد۔ اس کی ناک اونچی اور پیشانی سیدھی ہے، جو اس کے چہرہ میں سب سے زیادہ ممتاز حیثیت رکھتی ہے اسکی نگاہوں میں عقاب کی سی تیزی ہے اور دوسروں کی باتیں ایک فلسفی کی سی خبرداری سے سنتا ہے

اچیلس ایک پینتیس سالہ آدمی ہے جس کی سیاہ گھنی داڑھی میں پیچ پڑے ہوئے ہیں بظاہر وہ چالاک آدمی نہیں معلوم ہوتا البتہ ایک بارعب اور ممتاز شخصیت کا ضرور مالک ہے۔

پوتھینس خواجہ سرا، ایک طاقتور آدمی ہے مگر جدت پسند اور حاضر جواب۔ اس کی عمر پچاس برس کی ہے۔ لیکن اس کا دماغ بہت معمولی ہے۔ اس کی فطرت میں غصہ بجید ہے۔ اور وہ اپنے غصہ کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ اس کے بال سمور کی مانند خوبصورت ہیں۔

ٹالمی بادشاہ، اپنی عمر کے لحاظ سے زیادہ سنجیدہ اور معمر نظر آتا ہے۔ لیکن اس میں اب بھی لڑکپن موجود ہے وہ دوسروں کی رہنمائی پر چلنے کا عادی ہے۔ سب لوگ بادشاہ کا نہایت احترام سے استقبال کرتے ہیں۔ وہ اتر کر نیچے آتا ہے اور ایک کرسی کے قریب جو اس کے دائیں جانب ہے آکر کھڑا ہو جاتا ہے وہ اس پر بیٹھے ہوئے آئندہ ہدایات کے لئے نہایت بے چینی سے اپنے سرپرست پوتھینس کی طرف دیکھتا ہے جو خود بائیں طرف بیٹھ جاتا ہے۔

پوتھینس :- بادشاہ مصر کچھ کہنا چاہتا ہے۔!

تھیوڈوٹس :- (موثر انداز سے) بادشاہ کا فرمان سننے کے لئے خاموش رہو۔

ٹالمی :- (ایک رٹے ہوئے سین کو دہرانے لگتا ہے) تم سب کو غور سے سننا چاہئے۔ میں تمھاری بانسری بجانے والے بادشاہ آلی ٹیس کا سب سے پہلا بیٹا ہوں میری بہن بیرنیس، اسے تخت سے ہٹا کر خود حکومت کرنے لگی۔ لیکن، لیکن، (وہ رک جاتا ہے)

پوتھینس :- (چپکے سے لقمہ دیتے ہوئے) دیوتاؤں کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

ٹالمی :- ہاں — دیوتاؤں کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا — نقصان نہ پہنچے گا (وہ چپ ہو جاتا ہے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بے معنی انداز سے) میں بھول رہا ہوں کہ دیوتاؤں کو کیا نقصان نہ پہنچے گا۔

تھیوڈوٹس :- بہتر ہے کہ بادشاہ کا سرپرست پوتھینس بادشاہ کے خیالات کا اظہار کرے۔

پوتھینس :- (اپنی بے چینی کو مشکل سے ضبط کرتے ہوئے) بادشاہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ دیوتا ہرگز اس امر کو برداشت نہ کریں گے کہ اس کی شریر بہن، بلا سزا پائے چلی جائے

ٹالمی :- (جلدی سے) ہاں اب مجھے یاد آگیا۔ (وہ پھر کہنے لگتا ہے) اس لئے دیوتاؤں نے ایک اجنبی شخص مارک انطونی، رومی سواروں کے ایک سردار کو اس ریگستان میں بھیجا اور اس نے میرے باپ کو پھر تخت واپس دلا دیا۔ اور میرے والد نے میری بہن بیرنیس کا سر قلم کر دیا۔ اور اب گو میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ تاہم میری ایک دوسری بہن کلیوپیٹرا مجھے تخت و ملک چھینکر خود میری جگہ حکومت کرنا چاہتی ہے لیکن دیوتا اس کو برداشت نہ کریں گے۔ (پوتھینس نصیحتاً زور سے کھانستا ہے) دیوتا۔ دیوتا برداشت نہ کریں گے۔

پوتھینس :- (لقمہ دیتے ہوئے) برقرار نہ رکھیں گے۔

ٹالمی :- ہاں ٹھیک! وہ ایسی زبردستی کو برقرار نہ رکھیں گے۔ اور وہ اس کا سر بھی، اس کی بہن کی طرح قلم کر دیں گے۔ لیکن اس نے چڑیل فتاتا کی مدد سے جولیس سیزر پر اپنا جادو چلا دیا ہے۔ تاکہ وہ اس کو حکومت کرنے میں اس کے غلط اور بے بنیاد دعوؤں کو سچ ثابت کر دکھائے۔ تو اب تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں یہ برداشت نہ کرونگا —— میں یہ برداشت نہ کروں گا۔ (پوتھینس سے مستفسرانہ) ہاں میں کیا برداشت نہ کرونگا؟

پوتھینس :- (یکایک نہایت زور اور سیاسی جوش کے ساتھ) بادشاہ ہرگز یہ برداشت نہ کرے گا کہ ایک غیر ملکی، اس سے، اس کا تخت چھین لے۔ (نعرۂ تحسین) اچیلس! بادشاہ کی خدمت میں عرض کرو کہ رومی کے ساتھ کتنے سوار اور سپاہی ہیں؟

تھیوڈوٹس :- بہتر ہوگا کہ شاہی افواج کا سپہ سالار اس کا اظہار کرے۔

اچیلس :- جہاں پناہ! صرف تین ہزار سپاہی اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار سوار۔

(درباری ایک نفرت آگیں قہقہہ لگاتے ہیں اور

زور زور سے باتیں ہونے لگتی ہیں۔ اس اثنا میں ایک رومی سردار (روفیو) دالان میں وارد ہوتا ہے۔ وہ ایک اوسط عمر کا بارعب آدمی ہے جس کے چہرہ پر سیاہ گھنی لمبی داڑھی ہے۔ یہ شخص بہت ترش مزاج ہے۔ اس کی آنکھیں تیز اور چھوٹی ہیں۔ ناک بہت اونچی اور گال پھولے ہوئے ہیں)

روفیو:۔ (سیڑھی سے) خاموش (قہقہے اور سرگوشیاں یک لخت بند ہو جاتی ہیں) سیزر آرہا ہے۔

تھیوڈوٹس:۔ (ہوش وحواس بجا رکھتے ہوئے) بادشاہ رومی حاکم کو آنے کی اجازت دیتا ہے۔

سیزر، سادہ لباس میں دالان سے نکلتا ہے اسکے ساتھ اس کا برطانوی معتمد بری ٹینس بھی ہے، جس کی عمر تقریباً چالیس برس کی ہے۔ اس کا قد اونچا۔ مزاج سنجیدہ اور سر کسی قدر گنجا ہے۔ مونچھیں بڑی بھوری اور نیچے کی طرف جھکی ہوئی ہیں۔ وہ نیلے لباس میں باقاعدگی سے ملبوس ہے۔ اس کی کمر کی پیٹی میں کاغذ، دوات، اور ایک قلم بھی موجود ہے۔ اسکا چہرہ جولیس سیزر کے بامروت چہرے سے بالکل متضاد ہے وہ اب موجودہ منظر کو، جو اس کے لئے بالکل نیا ہے ایک بچے کی طرح مستفسرانہ ادا سے دیکھ رہا ہے اور پھر بادشاہ کے تخت کی طرف پلٹتا ہے بری ٹینس اور روفیو، سیڑھی کے قریب دوسری جانب کھڑے ہو جاتے ہیں۔

سیزر:۔ (پوتھینس اور طالمی کی طرف دیکھکر) بادشاہ کون ہے؟ لڑکا یا وہ آدمی؟

پوتھینس:۔ میں اپنے جہان پناہ شاہ طالمی کا سرپرست پوتھینس ہوں۔

سیزر:۔ (طالمی کے شانوں کو تھپتھپاتے ہوئے) تم بادشاہ ہو! اوہ تمھاری عمر کے لئے یہ خدمت کس قدر لغو ہے (پوتھینس سے) تمھارا ملازم پوتھینس!

(وہ بے پروائی سے پلٹتا ہے اور بیچ میں آہستہ آہستہ آتا ہے اور دونوں طرف کے درباریوں کو دیکھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اچیلس کے پاس پہنچ جاتا ہے) اور یہ شخص؟

تھیوڈوٹس:۔ اچیلس! شاہی افواج کا سپہ سالار۔

سیزر:۔ (اچیلس سے دوستانہ طور پر) ایک سردار ہو نہ! میں بھی ایک سردار ہوں۔ لیکن میں نے بہت دیر میں یہ زندگی اختیار کی، بہت ضعیفی میں تم کو تندرستی اور صدہا فتحمندیاں نصیب ہوں اچیلس!

اچیلس:۔ جیسی دیوتاؤں کی مرضی ہو سیزر۔

سیزر:۔ (تھیوڈوٹس سے) اور جناب آپ؟

تھیوڈوٹس:۔ تھیوڈوٹس! بادشاہ کا اتالیق۔

سیزر:۔ تم آدمیوں کو بادشاہ بننا سکھاتے ہو۔ تھیوڈوٹس! یہ تم میں کمال ہے (جب وہ تھیوڈوٹس کی طرف سے پلٹ کر پھر پوتھینس کی طرف جاتا ہے تو دیوار پر دیوتاؤں کی تصویریں دیکھتے ہوئے) اور یہ مقام؟

پوتھینس:۔ بادشاہ کے خزانچیوں کا کونسل ہال سیزر!

سیزر:۔ ہاں مجھے خوب یاد آیا۔ مجھے کچھ روپیہ کی ضرورت ہے۔

پوتھینس:۔ بادشاہ کا خزانہ خالی ہے سیزر!

سیزر:۔ ہاں میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ صرف ایک ہی کرسی ہے۔

روفیو:۔ (کسی قدر غصہ سے چلاکر) جاؤ تم میں سے کوئی جاکر سیزر کے لئے ایک اور کرسی لائے۔

ٹالمی:۔ (شرمندہ ہو کر اپنی کرسی سے اُٹھتے ہوئے) سیزر۔

سیزر:۔ (نرمی سے) نہیں نہیں میرے لڑکے یہ تمھارا شاہانہ تخت ہے۔ تم بیٹھ جاؤ۔

(وہ ٹالمی کو پھر بٹھا دیتا ہے اس اثنا میں روفیو اِدھر اُدھر دیکھنے لگتا ہے اُسے قریب کے ایک گوشے میں دیوتار اکا مجسمہ نظر آتا ہے۔ جس کی شکل ایک بیٹھے ہوئے آدمی کی مانند ہے۔ اور سرباز کی طرح اُس کے سامنے ایک پیتل کی تپائی رکھی ہے جس پر عود و عنبر سلگ رہا ہے۔ روفیو اپنی آزادانہ فطرت کے مطابق، دیگر غیر ملکی رسوم و عقائد کی پروانہ کرتے ہوئے تیزی سے تپائی اُٹھا لیتا ہے عود و عنبر پھینک دیتا ہے۔ اس کی راکھ پھونک دیتا ہے اور بیچ ہال میں سیزر کے پیچھے رکھدیتا ہی)

روفیو۔ سیزر! اس پر بیٹھ جاؤ۔ (سارے دربار میں ایک بے چینی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور اس مذہبی بے ادبی پر سرگوشیاں ہونے لگتی ہیں)

سیزر:۔ (بیٹھتے ہوئے) پوتھینس اب ہم کو اصل معاملہ پر غور کرنا چاہئے۔ مجھے روپے کی شدید ضرورت ہے

بری ٹینس۔ (تمہید کو نظر انداز کرتے ہوئے) میرے آقا اب یہ فرمائیں۔گے کہ مصر کے ذمہ روم کا بہت بڑا قرض باقی ہی، جو بادشاہ کے مرحوم والد کی ضمانت پر دیا گیا تھا اور اَب یہ سیزر کا فرض ہے کہ اپنے ملک کے لئے فوراً اس کی واپسی کا مطالبہ کرے۔

سیزر۔ اوہ۔ میں بھول گیا۔ میں نے یہاں اپنے ہمراہیوں کو نہیں بتایا کہ یہ کون ہیں؟ یہ بری ٹینس ہے میرا معتمد۔ یہ مغربی جزیرہ کا ایک باشندہ ہے (بری ٹینس تعظیماً سر جھکاتا ہے) یہ رومی روفیو ہے اور جنگ میں ہمیشہ میرے ساتھ رہتا ہے۔ (روفیو سر ہلاتا ہے) پوتھینس مجھے ایک ہزار چھ سو ٹیلنٹ[1] سکہ کی ضرورت ہے۔

(درباری خوف زدہ ہوجاتے ہیں اور تھیوڈوٹس اور پوتھینس اتنی بڑی رقم کے تقاضے پر ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے لگتے ہیں)

پوتھینس۔ (تعجب سے) چالیس لاکھ سسٹر[2] ناممکن! بادشاہ کے خزانے میں اتنی دولت نہیں ہے۔

سیزر۔ (ہمت افزائی کرتے ہوئے) صرف سولہ سو ٹیلنٹ، اسے سسٹر میں کیوں شمار کرتے ہو؟ ایک سسٹر تو صرف ایک روٹی کی قیمت کے برابر ہے

پوتھینس۔ اور ایک ٹیلنٹ، ایک گھوڑ دوڑ کے گھوڑے کی قیمت کے مترادف ہے۔ میں کہتا ہوں یہ ناممکن ہے ہمنے یہاں لڑائی کے موقع پر اچھی طرح چھان بین کر لی ہے کیونکہ بادشاہ کی بہن کلیوپیٹرا نے زبردستی تخت کی دعویدار بن بیٹھی ہے اور بادشاہ کو اپنی رعایا سے

[1] قدیم مصری اشرفی۔

[2] قدیم مصری نقرئی سکّہ

لگان وصول نہیں ہوا۔

سیزر۔ ہاں وہ وصول کر لیا گیا ہے ــــ میرے سردار تمام صحیح وصول کرتے رہے ہیں۔

(درباریوں میں اضطراب کے ساتھ سرگوشیاں ہونے لگتی ہیں۔ اور کبھی کبھی قہقہے بھی بلند ہوتے ہیں)

روفیو۔ (سختی سے) تمھیں دینا چاہیے' پوتھینس بیکار باتیں کیوں کرتے ہو؟ تم بہت سستے چھوٹے جا رہے ہو۔

پوتھینس۔ (ترش روئی سے) یہ کیسے ممکن ہے کہ دنیا کا فاتح سیزر، ہمارے ملک کے محاصل وصول کرنے میں اپنا وقت ضائع کرے۔؟

سیزر۔ میرے دوست۔ دنیا کے فاتح کے لئے یہی سب سے زیادہ اہم شے ہے۔

پوتھینس۔ تو پھر خبردار ہو جاؤ اے سیزر آج مندروں کی دولت اور خزانہ کی متاع ٹکسال بھیجی جائیگی، تاکہ پگھلا کر ہمارا زرِ رہائی ادا کرنے کے کام آئے۔ دیوتا ہمیں دیواروں کے پیچھے بیٹھا ہوا اور لکڑی کے پیالوں میں شراب پیتا ہوا دیکھیں گے اور ان کا غصہ تم پر نازل ہوگا، سیزر ہم کو مذہبی بے ادبی اور اس کی تحقیر کرنے پر مجبور مت کرو

سیزر۔ مت ڈرو پوتھینس دنیا اچھی طرح جانتی ہے کہ چوبی پیالوں میں شراب بہت زیادہ لطیف اور لذیذ ہو جاتی ہے میں تمھاری اس دریادلی کے معاوضہ میں اس تخت کے جھگڑے کا تمھارے حق میں فیصلہ کر دونگا۔ اگر تم پسند کرو۔ کہو تمھارا کیا منشا ہے؟

پوتھینس۔ اگر میں انکار کروں تو کیا تم اُس سے باز آجاؤ گے؟

روفیو۔ نہیں۔

سیزر۔ تم کہتے ہو کہ یہ معاملہ ایک سال سے چل رہا ہے۔ پوتھینس کیا میں اس کے متعلق صرف دس منٹ غور کر سکتا ہوں؟

پوتھینس۔ بیشک، آپ اپنی مرضی کے مطابق کرنے کے مجاز ہیں۔

سیزر۔ خوب لیکن سب سے پہلے کلیوپیٹرا کو بلاؤ۔

تھیوڈوٹس۔ وہ اسکندریہ میں نہیں ہے وہ سیریا بھاگ گئی۔

سیزر۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ (روفیو سے) طوطا تیتا کو بلاؤ۔

روفیو۔ (پکار کر) او تیتا طوطا۔ (فتاتا ــــ داخل ہوتی ہے اور سیڑھیوں کے سرے پر کھڑی ہو جاتی ہے)

فتاتا۔ ملکہ کی خاص انا فتاتا کا نام کون لے رہا ہے۔

سیزر۔ کوئی شخص نہیں لے سکتا۔ طوطا۔ صرف تم ہی لے سکتی ہو۔ تمھاری ملکہ کہاں ہے؟

(کلیوپیٹرا، جو فتاتا کے پیچھے چھپی کھڑی ہے مسکرا کر جھانکتی ہے۔ سیزر کھڑا ہو جاتا ہے)

سیزر۔ کیا ملکہ صرف ایک لمحہ کے لئے ہم کو شرفِ دیدار بخشیں گی؟

کلیوپیٹرا۔ (فتاتا کو ایک طرف ہٹا کر خود سامنے آجاتی ہے) کیا مجھے ایک ملکہ کی طرح آنا چاہیے؟

سیزر۔ ہاں۔

(کلیوپیٹرا فوراً تخت شاہی کے قریب آجاتی ہے ٹالمی کو گھسیٹ کر تخت سے اتار دیتی ہے اور خود

بیٹھ جاتی ہے۔ فاتا دور سے سیڑھیوں پر بیٹھکر اس
منظر کو غائر نگاہوں سے دیکھتی ہے۔)

لمی۔ (آنسو بہاتے ہوئے) سیزر! دیکھو یہ ہمیشہ اسیطرح ے سلوک کرتی ہے۔ جب میں بادشاہ ہوں تو پھر اسکو ے تخت چھین لینے کا کیا حق حاصل ہے؟

لیوپیٹرا۔ (قہر آلود نگاہوں سے) تو بادشاہ نہیں ہوسکتا ے رونے والے بچے۔ رومی تجھے نگل لیں گے۔

سیزر۔ (ٹالمی کی دردناک حالت سے متاثر ہوکر) ادھر یرے لڑکے، میرے پاس کھڑا ہو۔

(ٹالمی سیزر کے پاس جاتا ہے جو تپائی پر بیٹھکر ہمت
افزائی کے طور پر ٹالمی کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے کلیوپیٹرا
حاسدانہ نگاہوں سے گھورنے لگتی ہے)

یوپیٹرا۔ (تمتماتے ہوئے رخساروں سے) لے اپنا تخت ے مجھے نہ چاہیئے۔ (وہ تخت سے اتر کر ٹالمی کے پاس آتی ہے۔ پیچھے ہٹ جاتا ہے) جا۔ جلدی جا اور اپنے تخت پر بیٹھ

سیزر۔ جاؤ ٹالمی! جب تم کو کوئی تخت دیا جائے فوراً قبول کر لیا کرو۔

وفیو۔ مجھے امید ہے کہ جب ہم روم واپس جائیں گے تم اپنی رائے کے مطابق عمل کرنے کی سعی کرو گے یزر!

(ٹالمی آہستہ آہستہ اپنے تخت پر واپس جاتا ہے۔
اور کلیوپیٹرا سیزر کے پاس بیٹھ جاتی ہے)

سیزر۔ پوتھینس ———

کلیوپیٹرا۔ (دخل دیتے ہوئے) کیا تم مجھ سے گفتگو نہ کرو گے؟

سیزر۔ خاموش رہو۔ اگر تم نے میری اجازت بغیر منہ کھولا تو نگل ہی جاؤ گی۔

کلیوپیٹرا۔ میں اس سے نہیں ڈرتی۔ ایک ملکہ کو بزدل نہ ہونا چاہیئے میرے شوہر کو، تمھارا جی چاہے تو کھا جاؤ، وہ ڈرتا ہے۔

سیزر۔ (گھور کر) تمھارا شوہر۔ تمھارا شوہر! کیا معنی اس کے؟

کلیوپیٹرا۔ (ٹالمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) وہ چھوٹی سی چیز ———

(دونوں رومی اور برطانی ایک دوسرے کو حیرت سے
تکنے لگتے ہیں)

تھیوڈوٹس۔ سیزر، تم یہاں ایک اجنبی ہو اور ہمارے قوانین سے بالکل ناآشنا۔ مصر کے شاہی خاندان کے لوگ غیر سے شادی نہیں کر سکتے۔ ٹالمی اور کلیوپیٹرا بھائی بہن پیدا ہوئے ہیں۔ اور اس لئے میاں بیوی بھی ہیں"

برٹینس۔ (خوف زدہ ہوکر) سیزر، یہ تو نہایت نامناسب بات ہے۔

تھیوڈوٹس۔ (غضبناک ہوکر) کس طرح؟

سیزر۔ (خودداری کا احساس کرتے ہوئے) اسے معاف کرو۔ تھیوڈوٹس! وہ ایک وحشی ہے اور اپنے جزیرہ کے رسوم و اطوار کو قانون قدرت سمجھتا ہے۔

برٹینس۔ یہ بات نہیں، سیزر۔ یہ مصری وحشی ہیں اور تم ان کی ہمت افزائی کرنے میں غلطی پر ہو۔ میں کہتا ہوں یہ انتہائی شرارت و بدتہذیبی ہے۔

سیزر۔ شرارت ہو یا نہ ہو، مگر میرے دوست یہ امن و سکوں کا دروازہ کھول دیتی ہے (وہ پوتھینس کو

سنجیدگی سے مخاطب کرتا ہے) سنو، میں اپنی رائے تم سے کہتا ہوں

روفیو - ادہر سنو سیزر،

سیزر - ٹالمی اور کلیوپیٹرا، دونوں ملکر مصر پر حکومت کریں گے -

اچیلس - اور بادشاہ کے چھوٹے بھائی، اور کلیوپیٹرا کی چھوٹی بہن کے متعلق ؟

روفیو - (تشریح کرتے ہوئے) لوگ کہتے ہیں سیزر، ایک اور چھوٹا ٹالمی موجود ہے -

سیزر - تو خیر چھوٹا ٹالمی دوسری بہن سے شادی کر سکتا ہے - اور ہم ان دونوں کو جزیرہ سائپرس، بطور تحفہ پیش کریں گے -

پوتھینس - (بے چینی سے) سائپرس، کسی کے لئے کسی کام کا بھی نہیں ہے -

سیزر - کوئی حرج نہیں - یہ صرف تم کو صلح کے معاوضہ میں دیدیا جائیگا -

بری ٹینس - (خود فراموشی کے عالم میں ——— کچھ سوچتے ہوئے) عزت کے ساتھ صلح کر لو - پوتھینس!

پوتھینس :- (سرکشی سے) سیزر، ایماندار بنو، جس رقم کا تم مطالبہ کر رہے ہو وہ ہماری آزادی کی قیمت ہے، تم یہ رقم لے لو - اور ہم کو ہمارے جھگڑے خود طے کر لینے کے لئے چھوڑ دو -

ایک دلیر درباری - (پوتھینس کے لہجہ اور سیزر کی خاموشی سے متاثر ہو کر) ہاں ٹھیک ہے مصر، مصریوں کے لئے ہے -

(اب مجلس میں زیادہ گرمی پیدا ہو جاتی ہے، مصری کو غصہ آنے لگتا ہے - سیزر خاموش بیٹھا رہتا ہے

لیکن روفیو بہت غضبناک اور خوفناک شکل اختیار کرتا جاتا ہے اور بری ٹینس کے چہرہ پر بھی غصہ کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں)

روفیو - (حقارت سے) مصر، مصریوں کے لئے! کیا تم بھول گئے کہ یہاں ایک رومی لشکر موجود ہے جسے آلیکس گینی نس نے، جب تمھارے بادشاہ کو تخت پر بٹھایا تو یہیں چھوڑ دیا تھا -

اچیلس - (تہورانہ انداز سے) ہاں اور اب اس فوج کا سپہ سالار میں ہوں - سیزر، میں ہی یہاں وہ رومی سردار ہوں -

سیزر - (ہنسکر) اور اب مصری فوج کا بھی سردار ہو

پوتھینس - (فتحمندانہ) ہاں ایسا ہی ہے سیزر -

سیزر - (اچیلس سے) تو تم روم کی خاطر مصر میں جنگ کر سکتے ہو - اور رومیوں سے اگر ضرورت سمجھو تو مصر کی خاطر؟

اچیلس - ہاں ایسا ہی ہے سیزر -!

سیزر - تو اے سردار میں تم سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت تم کس طرف ہو؟

اچیلس - دیوتاؤں اور سچی جماعت کی طرف

سیزر - ہوں! تو اچھا تو تمھارے پاس کتنی فوج ہے؟

اچیلس - یہ اس وقت معلوم ہوگا جب میں میدان جنگ میں آؤنگا -

روفیو - (تند خوئی سے) کیا تمھارے سپاہی رومی نہیں ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اس کی پرواہ نہیں کہ کتنے ہیں؟ ہمارے دس تمھارے پانچ سو پر بھاری ہیں -

پوتھینس - ہم کو شمار کرنا فضول ہے روفیو، سیزر -

پہلے بھی شکست کھا چکا ہے اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی پس پا ہو - کچھ زمانہ گذرا کہ سیزر جان بچانے کے لئے پمپئی کے پاس بھاگا بھاگا پھرتا رہا - اور ممکن ہے چند مہینوں کے بعد وہ اپنی جان بچانے کے لئے افریقہ کے بادشاہ، کیٹو اور جوبا کے پاس پناہ ڈھونڈنے جائے -

اچیلس - (پوتھینس کی تقریر کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے) تم چار ہزار سپاہیوں سے کیا کر سکتے ہو؟

تھیوڈوٹس - (اچیلس کے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتی ہوئی) اور بالکل مفلس ......؟

سب درباری - (غل مچا کر سیزر کے پاس جمع ہوتے ہوئے) تم چلے جاؤ - مصر مصریوں کے لئے ہے تم چلے جاؤ یہاں سے!

(روفیو غصہ سے داڑھی چبانے لگتا ہے اور اسکی زبان سے بات نہیں نکلتی - سیزر اس قدر مطمئن انداز سے بیٹھا رہتا ہے جیسے کوئی تماشہ دیکھ رہا ہو اور کوئی بلی اس کے پاؤں کے پاس کھیل رہی ہو)

کلیوپیٹرا - تم ان کو ایسی باتیں کیوں کرنے دیتے ہو سیزر؟ کیا تم ان سے خوفزدہ ہو؟

سیزر - کیوں میری پیاری، جو کچھ وہ کہتے ہیں بالکل سچ ہے -

کلیوپیٹرا - مگر تمھارے چلے جانے کے بعد میں ملکہ نہ بن سکوں گی -

سیزر - مگر جب تک تم ملکہ نہ بنجاؤ گی میں یہاں سے جاؤں گا نہیں -

پوتھینس - اچیلس، اگر تم بیوقوف نہیں ہو تو اس لڑکی کو جبکہ وہ تمھارے قابو میں ہے قید کر لو -

روفیو - (طعن سے) ضرور، اور سیزر کو بھی اچیلس؟

پوتھینس - روفیو تم نے ٹھیک کہا -

روفیو - کوشش کرو، اچیلس (پکار کر) اس طرف حفاظت کرو -

(دالان میں سیزر کی فوج یکایک آ کر جمع ہو جاتی ہے اور تلوار سونت کر سیڑھی کی چوٹی پر کھڑی ہو جاتی ہے اور حملہ کی منتظر رہتی ہے ایک لحہ تک مصری نخوت و تمکنت کے انداز سے ان کا سامنا کرتے ہیں اور پھر اپنی اپنی جگہ واپس چلے جاتے ہیں)

بری ٹینس - تم سیزر کے قیدی ہو — تم سب!

سیزر - (دریا دلی سے) اوہ - نہیں نہیں کسی طرح نہیں - بلکہ سیزر کے مہمان،

کلیوپیٹرا - کیا تم ان کے سر قلم نہ کرو گے؟

سیزر - کیا تمھارے بھائی کا سر کاٹ ڈالوں؟

کلیوپیٹرا - ہاں ضرور! اگر اسے موقع ملا تو وہ میرا سر قلم کر دیگا — کیا تم ایسا نہ کرو گے ٹالمی؟

ٹالمی - (غمگین مگر مستقل مزاجی سے) ضرور - میں جوان ہو کر ضرور اس کا سر اڑا دونگا -

(کلیوپیٹرا اپنی نئی حاصل شدہ حاکمانہ عظمت کے خیال میں محو ہو جاتی ہے اور ایک طفلانہ اضطرار کے ساتھ ادہر ادہر دیکھنے لگتی ہے اور جب سیزر اپنی نشست سے اٹھتا ہے تو اس پر بیٹھ جاتی ہے)

پوتھینس - سیزر اگر تم ہم کو یہیں ٹھہرنے پر مجبور کرتے ہو

روفیو - ہاں ہاں اے مصریو، اس امر پر تیار ہو جاؤ۔ ہمارے قبضہ میں محل، سمندر کا ساحل اور مشرقی بندرگاہ ہے - روم کا راستہ کھلا ہوا ہے اور اگر سیزر نے پسند کیا تو تمھیں اسی راستہ پر سفر کرنا پڑے گا -

سیزر - (نہایت خوش خلقی کے ساتھ) میں اپنے سپاہیوں کی حفاظت کے لئے پوتھینس، اس سے کم اور کچھ نہ کر سکتا تھا - میں ان میں سے ہر ایک کی جان کا جواب دہ ہوں لیکن تم بالکل آزاد ہو - اور اسی طرح یہاں محل کے اور سب آزاد ہیں -

روفیو - (اس برتاؤ سے متعجب ہو کر) کیا یہ بیدین اور سب؟

سیزر - (اس جملہ کو لطیف بناتے ہوئے) رومی فوج اور سب، اے روفیو -

پوتھینس - (سختی سے) تو میں سیزر کے انصاف سے آخری درخواست کرتا ہوں - کہ وہ ہمارے لئے اس کا ثبوت پیش کرے رومی مقامی فوج، دنیا کے سب سے بڑے سپاہی کی نگرانی میں، سیزر کو اپنے رحم و کرم پر سر تسلیم خم کرتے پائے گی (دالان میں پکار کر) او لوسیس سپٹیمیس (سیزر بے حد متاثر ہو کر متحیر ہوتا ہے) اگر میری آواز تم تک پہنچ سکتی ہے - تو باہر نکل آؤ اور سیزر کے سامنے آ کر امتحان کرو -

سیزر - (گھبرا کر) نہیں - نہیں -

تھیوڈوٹس - ہاں میں کہتا ہوں کہ حاکم فوج کو شہادت پیش کرنے دو -

(لوسیس سپٹیمیس، ایک بے ریش و بروت نہایت متناسب الاعضا، چالیس سالہ خوبصورت نوجوان ———— ایک رومی سردار کے لباس میں، دالان سے نکل کر باہر آتا ہے، وہ اپنا چہرہ پہلے اپنے دامن میں چھپا لیتا ہے پھر ———— دامن ہٹا دیتا ہے - اور تمکنت سے فوجی حاکم کو دیکھتا ہے)

پوتھینس - لوسیس سپٹیمیس شہادت پیش کرو - سیزر یہاں اپنے دشمن کے تعاقب میں آیا ہے کیا ہم نے اسکے دشمن کو پناہ دی؟

لوسیس - جیسے ہی پمپئی کے پاؤں مصری ساحل پر پڑے، میں نے ایک وار میں اس کا سر جدا کر دیا -

تھیوڈوٹس - اور اس کی بیوی اور بچوں کے سامنے سیزر، ذرا سوچو تو - انھوں نے اس کو قتل ہوتے دیکھا اور اسی جہاز میں سے، جس کو اس نے اسی وقت خیرباد کہا تھا ہم نے تمھیں انتقام کا اطمینان بخش ثبوت دیا ہے -

سیزر - (خوف زدہ ہو کر) - انتقام!

پوتھینس - جب دنیا کی شہنشاہی کا اعلان کرنے کو تمھارا جہاز ہمارے بندر میں داخل ہوا تو ہمارا سب سے پہلا نذرانہ تمھارے حریف کا سر تھا - لوسیس گواہی دو، کیا یہ سب سچ نہیں ہے؟

لوسیس - ہاں بالکل درست ہے! اس ہاتھ سے جس نے پمپئی کو قتل کیا، میں نے مقتول کا سر سیزر کے قدموں پر ڈال دیا -

سیزر - قاتل! اگر پمپئی فارسیلیا میں فتحمند ہوتا تو تم اسی طرح سیزر کو بھی قتل کر دیتے -

لوسیس - مفتوح پر لعنت، سیزر! جب میں

پمپیؔ کا اطاعت گذار تھا۔ تو میں نے ایسے آدمیوں کو بھی قتل کیا، جیسا وہ خود تھا۔ اور آخر کار اُس کی بھی باری آئی ــــ

تھیوڈوٹس ۔ (خوشامدانہ) یہ کام تمھارا نہیں تھا سیزرؔ بلکہ ہمارا تھا ـــــــ نہیں صرف میرا۔ کیونکہ یہ سب کچھ میری تدبیر سے ہوا۔ ہماری بدولت تمھاری شہرت بھی باقی رہی اور انتقام بھی پورا ہوا۔

سیزر ۔ انتقام، انتقام، اوہ، اگر میں انتقام لینے پر آمادہ ہوتا تو تم سے اس مقتول کے خون کے عوض کیا کچھ نہ لے لیتا۔ (وہ سب خوفزدہ اور نا اُمید ہو جاتے ہیں) کیا وہ میرا داماد نہ تھا؟ کیا وہ بیس برس تک روم کا حکمراں اور تیس سال تک نصرت و فتحمندی کا علمبردار نہ رہا تھا؟ کیا ایک رومی ہونے کی حیثیت سے، اس کے ساتھ میری بھی شہرت نہیں ہوئی؟ کیا قسمت جس نے ہمیں دنیا کو فتح کرنے پر مجبور کیا، ہماری بنائی ہوئی تھی؟ میں جولیس سیزر ہوں یا کوئی اور جو تم ایک بڈھے سپاہی کا سر میری طرف پھینک رہے ہو۔ مشہور فاتح، جوانمرد اور دلیر آدمی دھوکہ اور مکاری سے، اس بدمعاش کے ہاتھوں قتل ہوا اور پھر تم اس کو میرے شکریہ کا مستحق بھی ٹھہراتے ہو (لوسیس سے) دور ہو میری نظروں سے، تو مجھے خوف و دہشت سے سراسیمہ کر رہا ہے۔

لوسیس ۔ (سرد مہری اور دلیری سے) ہوں، تم نے بہت سے سر پہلے بھی تن سے جدا دیکھے ہیں سیزرؔ اور میرا خیال ہے بہت سے کٹے ہوئے ہاتھ۔ مگر جب تم نے ورسنگی ٹورکس پر فتح پائی تو کیا اُسے یونہی چھوڑ دیا؟ ــــ

کیا یہ انتقام نہ تھا؟

سیزر ۔ نہیں دیوتاؤں کی قسم، میں چاہتا ہوں کہ کاش ایسا ہی ہوتا۔ انتقام آخر کار ایک انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ نہیں! میں کہتا ہوں کہ وہ تمام کٹے ہوئے ہاتھ اور ورسنگی ٹورکس کی موت جو دارالخلافہ میں گردن دبا کر مارا گیا، دونوں دانائی کے ماتحت تھے۔ جہالت اور چھوٹی باتیں ایک سچے انتقام سے دس گنا زیادہ خونی اور خوفناک ہوتی ہیں۔ میں اس وقت یقینی بیوقوف بن گیا تھا۔ جب میں نے سوچا کہ انسانوں کی جان ایسے بیوقوفوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دی جائے (انکسار سے) لوسیس مجھے معاف کرو۔ ورسنگی ٹورکس کا قاتل، پمپیؔ کے قاتل کو کیوں برا کہے۔؟ تم بھی سب کے ساتھ آزاد ہو تمھارا دل چاہے تو ٹھہرو۔ میں تم کو اپنے پاس کوئی خدمت دے سکونگا۔

لوسیس ۔ دیوتا تمھارے خلاف ہیں سیزرؔ۔ میں جانتا ہوں۔

(وہ دالان کی طرف جانے کو پلٹتا ہے)

روفیو ۔ (اپنے شکار کو بچکر جاتے ہوئے دیکھکر غصہ سے) اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ جمہوریت پسند ہے۔

لوسیس ۔ (دالان کی سیڑھیوں پر پلٹ کر) اور تم کیا ہو؟

روفیو ۔ سیزرؔ کے دوسرے سپاہیوں کی طرح ایک خیر خواہ۔

سیزر ۔ (اخلاقاً) لوسیس، یقین کرو کہ سیزرؔ، سیزرؔ بھی نہیں ہے۔ اگر روم میں حقیقی جمہوریت ہوتی تو سیزرؔ سب سے پہلا جمہوریت پسند ہوتا لیکن اب تم نے

اپنی رائے قائم کرلی ہے اس لئے خدا حافظ۔

لوسیس۔ آہ! اچیلس! تاہم ابھی کچھ وقت باقی ہے

(سیزر یہ دیکھ کر کہ روفیو اپنے غصہ سے بہت بے حال ہو رہا ہے، اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے اور اسے خطرہ سے باہر نکال لاتا ہے بری ٹینس سیزر کی دائیں جانب ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔ یہ تینوں اچیلس کے گروہ کے پاس پہنچتے ہیں جو وہاں سے اُٹھکر دوسری طرف تھیوڈوٹس سے ملجاتا ہے۔ لوسیس سٹیپس دالان کے سپاہیوں کے بیچ میں سے ہوکر باہر چلے جاتے ہیں۔ پوتھینس تھیوڈوٹس اور اچیلس مع تمام درباریوں کے اس کے پیچھے جاتے ہیں۔ اور فوجوں میں جو اپنے آپ کو پہلی صف میں ترتیب دے لیتی ہیں بالکل بے اعتمادی کا احساس کرتے ہوئے ان کے پیچھے بلا کسی خاص احترام کے باہر جاتے ہیں بادشاہ، قابل رحم حالت میں، بے حد رنجیدہ اور تنہا رہ جاتا ہے۔ اس اثنا میں روفیو برہم لہجہ میں کہتا ہے)

روفیو۔ (لوسیس کے جانے کے بعد) کیا تمھارا خیال ہے کہ اگر وہ ہمارے سروں کو اپنے ہاتھ میں لے لے تو ہمکو جلا جانے دیا جائیگا۔

سیزر۔ مجھے کوئی حق نہیں ہے کہ میں اس کی تدبیروں کو اپنے ارادوں سے زیادہ ذلیل خیال کروں۔

روفیو۔ ہوں۔

سیزر۔ روفیو۔ اگر میں لوسیس کو اپنے لئے ایک قابل تقلید نمونہ قرار دوں تو کیا اس وقت بھی تم میری اطاعت کروگے؟

بری ٹینس۔ سیزر، یہ کوئی دانائی کی بات نہیں ہے تمھارے رومی فرائض تم سے اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ اس کے دشمن ملک کو آئندہ کوئی ضرر نہ پہنچانے پائیں۔

(سیزر ایک استغنار کے ساتھ مسکراتا ہے)

روفیو۔ اس سے گفتگو کرنا بے سود ہے

بری ٹینس۔ غور سے سنو سیزر، مانا کہ بردباری تمھارے لئے بہت مفید ہے لیکن وہ تمھارے سپاہیوں کے لئے کس کام کی ہے؟ جنھیں کل اُنھیں آدمیوں سے لڑنا پڑے گا جن کو تم نے کل رہا کردیا ہے۔ تمھارا جو دل چاہے حکم دو لیکن میں تو یہ عرض کرونگا کہ تمھاری دوسری فتح کے معنی قتل عام کے ہیں۔ میں کسی شخص کو گرفتار نہ کرونگا۔ بلکہ تمام دشمنوں کو میدان ہی میں قتل کر ڈالونگا۔ اور مجھے اُن سے دوبارہ لڑنا نہ پڑے گا۔

(وہ جانے کا قصد کرتا ہے)

سیزر۔ (پلٹ کر ٹالمی کو دیکھتے ہوئے) کیا — ؟ وہ سب لڑکے کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے شرم شرم!

روفیو۔ (ٹالمی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے) آئیے بادشاہ سلامت

ٹالمی۔ (روفیو سے ہاتھ چھڑا کر سیزر سے) کیا یہ مجھے اپنے محل سے باہر نکال رہا ہے۔

روفیو۔ (دانت پیسکر) اگر آپ چاہیں تو یہاں ٹھہر سکتے ہیں

محشر عابدی (باقی آئندہ)

عزیز لکھنوی کی شاعری

مولانا نیاز اڈیٹر نگار نے عزیز صاحب کی شاعری کے متعلق میرا مضمون مئی کے پرچہ میں درج کرکے مجھکو مزید تنقید و تبصرہ کی دعوت دی ہے میں موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور جناب عزیز کا جستہ جستہ کلام دیکھنے کے بعد اپنے مضمون کی پہلی قسط پیش کرتا ہوں۔

دنیائے ادب میں جناب عزیز کی شخصیت محتاج تعارف نہیں لیکن ادبی دنیا کا اکثر حصہ اُن کے کلام کا نظر عمیق سے مطالعہ کئے بغیر محض تقلیداً ان کو آٹھویں دور کے ممتاز شعرا میں تصور کئے ہوئے ... ہے۔ میں خود بھی اسی غلط خیالی کا شکار ہو رہا تھا۔ لیکن گلکدۂ عزیز کے مطالعہ نے مجھپر یہ ظاہر کر دیا کہ عزیز صاحب کو ممتاز شعرا کی صف میں جگہ دینا غلطی ہے۔ ان کو شعر و سخن کے فن سے کوئی خاص نسبت نہیں۔ بعض اشعار تو ایسے ہیں جنکے ایک مصرع کا دوسرے مصرع سے کوئی تعلق نہیں۔ اور بعض متروکات حاضرہ سے بے نیازی اور زبان و محاورہ کی کم علمی ظاہر کر رہے ہیں۔ البتہ بجلیوں کی رو، ذرہ ہائے دل۔ عالم نزع وغیرہ چند مرکبات ایسے ہیں جو جا و بیجا استعمال کئے جاتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

حسن ہی کیا نہ دبالا جو نہ عالم کردے دل ہی کیا جس میں کوئی جذبہ فطری نہوا

کیا پابندی ردیف سے مجبور ہو کر "نہوا" بمعنی "نہیں" استعمال کرنا کسی قادر الکلام شاعر کے لئے مناسب ہے؟ [1]

عزیز اب سخت مشکل ہے بہلنا دل سودائی کا وہ ہو شہروں کی آبادی کہ سناٹا بیاباں کا

معلوم نہیں یہ مطلع ہے یا شعر، اگر مطلع کہا جائے تو "بیاباں" کا قافیہ موجود نہیں اور اگر شعر ہے تو مصرع اولیٰ میں "کا" کا استعمال کیسا؟ اگر یہ مصرع اس طرح کہا جاتا تو یہ عیب دور ہو سکتا تھا۔ [2]

عزیز اب دل سودائی کا سنبھلنا سخت مشکل ہے

کچھ نہ پوچھو شب وعدہ مری گھر کی رونق اللہ اللہ وہ سامان سے ساماں ہونا

"سامان سے ساماں" غلط محاورہ ہے؟ لفظ "سامان" میں نون کا اعلان اور دوسرے میں نون غنہ درست نہیں [3]

---

[1] یقیناً "نہوا" یہاں "نہ ہو" یا "نہیں" کی جگہ استعمال ہوا ہے جو نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ (اڈیٹر) [2] یقیناً یہ مصرع بہتر ہے۔ (اڈیٹر) [3] علاوہ اعلان نون و نون غنہ کے ایک نقص یہ بھی ہے۔ سامان سے ساماں میں بجائے "سے" کے "سا" ہونا چاہئے تھا۔ (اڈیٹر)

اُن کی اس کوشش بیجا کا پتہ دیتا ہے

چارہ سازوں کا میری لاش پہ گریاں ہونا

جب آپ نے یہ دیکھا کہ مصرع اولی پورا ہوتا نظر نہیں آتا تو مجبوراً "اس" کا اضافہ کرکے ہموزن بنالیا۔ حضرت! اس کو فن شاعری میں "حشو" کہتے ہیں اور حشو بھی قبیح[۵۱]۔

ہم تو دل ہی پر سمجھتے تھے بتوں کا اختیار

نصب کعبہ میں بھی اَب تک ایک پتھر رہ گیا

مصرع ثانی میں "اَب تک" اور "نصب رہگیا" کو ملا کر دیکھئے تو معلوم ہو سکتا ہو کہ کیا غلطی ہے۔ "اَب تک نصب ہے" کہنا چاہیے تھا نہ کہ "اب تک نصب رہگیا[۵۲]"۔

جاچکے احباب رو کر اُٹھ چکی ماتم کی صف

آپ کب آئے کہ جب خالی میرا گھر رہ گیا

اللہ رے بے بسی، ردیف کی پابندی نے اس درجہ مجبور کر دیا کہ غلط و صحیح کا امتیاز اُٹھ گیا مصرعہ اولیٰ کی مفہوم کا خیال کرتے ہوئے یوں کہنا چاہیئے تھا۔

"آپ کب آئے کہ جب خالی مرا گھر ہوگیا[۵۳]"

چارہ سازوں میں باہم مشورہ کیا کیا نہ ہوا

تھوا آپ کا بیمار غم اچھا نہ ہوا

حضرت! مشورہ تو باہم ہی ہوا کرتا ہے پھر "باہم" لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ "مشورہ" کے ساتھ "باہم" غلط اور خلاف محاورہ ہے[۵۴]۔

جا جا کے پلٹ آئے میرے نالۂ دل سب

جب تنگ بہت گنبد دوّار کو دیکھا

"سب" کی زیادتی کی داد دینا محال ہے ایسی مثالوں سے آپ کا دیوان بھرا پڑا ہے[۵۵]

وقت اب وہ ہو کہ احباب تو احباب ہیں سب

میری بالیں سے نہیں ہے کوئی بیگانہ جدا

شعر ہذا میں "احباب تو احباب ہیں سب" ایسا پاکیزہ اور پُر معنی جزو ہے جو خود اپنی داد ہے۔ شعر کیا ہے اچھا خاصہ معما ہے شعر کو بار بار پڑھیے اور مطلب سوچیے۔ انشاءاللہ العزیز ہزار مرتبہ پڑھنے پر بھی مطلب براری نہ ہوگی[۵۶]۔

---

[۵۱] بیشک اس کا استعمال یہاں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ (اڈیٹر) [۵۲] یقیناً اعتراض درست ہے۔ (اڈیٹر) [۵۳] مصرعہ ثانی میں بجائے ہوگیا کے رہگیا استعمال ہوا ہے۔ علاوہ اس کے "آپ کب آئے کہ جب" بھی کانوں کو بُرا معلوم ہوتا ہے۔ مصرعہ یوں ہوتا تو بہتر تھا "آپ بھی کب آئے، جب خالی مرا گھر ہوگیا"۔ (اڈیٹر) [۵۴] میں اس اعتراض کو درست نہیں سمجھتا۔ مانا کہ مشورہ باہم ہی ہوتا ہے لیکن اس کے اظہار میں کیا حرج ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جب "مشورۂ باہم" کا ذکر اس طرح کیا جائے گا تو اس سے مخالفت کا مفہوم پیدا ہوگا جو یہاں مقصود نہیں۔ (اڈیٹر) [۵۵] یقیناً زائد ہے۔ (اڈیٹر) [۵۶] شعر کا مطلب یہ ہو کہ اب وقت ہو کہ احباب تو احباب، میری بالیں سے اب کوئی بیگانہ بھی جدا نہیں"۔ اس لئے پہلے مصرعہ میں لفظ سب بیکار ہے اور دوسرے مصرعہ میں بیگانہ کے بعد لفظ بھی آنا چاہیے تھا۔ (اڈیٹر)

ہوئی پیمائش راہِ محبت بعد میرے جب مسافت ایک منزل کی تھی ہر نقش قدم میرا

"بعد میرے جب" کیا پاکیزہ بندش ہے[1]! دوسرے مصرع کا مفہوم غالباً یہ تھا کہ "میرا ہر نقش قدم ایک منزل کی مسافت پر تھا" لیکن آپ نے ہر نقش کی مسافت ایک منزل ظاہر کرکے مفہوم کو کچھ سے کچھ بنا دیا اب اس کے سوا کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ ہر نقش قدم کی مسافت (طوالت و فاصلہ) ایک منزل تھی[1]

کچھ رنگ عزیز اب نظر آتا ہے مجھے اور شاید کہ یہ درد آج سے اٹھکر نہ اُٹھے گا

"آج سے اُٹھکر نہ اُٹھے گا" بالکل غلط ہے اور خلاف محاورہ ہے یوں، کہنا چاہیئے کہ "آج اُٹھکر پھر نہ اٹھیگا"[2]

اپنی حد سے سوزِ دل اب بڑھ گیا آخری درجہ تھا پارہ چڑھ گیا

"اب" اور "تھا" تعریف سے مستغنی ہیں دونوں غلط اور بے محل استعمال ہوئے ہیں یوں کہیئے[3]

اپنی حد سے سوز دل جب بڑھ گیا آخری درجہ پہ پارہ چڑھ گیا

غیر کو دیکھ کے کرتے وہ نظر کاش عزیز زنگ خوردہ ہی کوئی تیر نکلا ہوتا

"غیر کو دیکھکر" آخر کس طرف دیکھتے[4]!

یہ سعیٔ بیخودی پئے تسکین شوق تھی واقف ہوں میں کہ آپکا ملنا محال تھا

مصرع ثانی میں "ہوں" سے زمانہ حال ظاہر ہوتا ہے اور مصرع اول ماضی بعید میں ہے یوں بھی کہا جاسکتا تھا، واقف تھا میں کہ الخ[5]

دل نام کوئی چیز کبھی پاس تھی عزیز یا بھولتے ہو یہ کوئی خواب وخیال تھا

ضمیر غائب "وہ" ہے "یہ" نہیں ہے[6]۔

امتحانگاہِ محبت میں وہی دل دل ہے مطمئن وہ جسے میں جسکو پریشاں سمجھا

"وہ جسے میں جس کو" کی ترکیب کتنی دلکش ہے۔ آپ نے مصرع اولیٰ فعل حال میں اور مصرع ثانی فعل ماضی میں نظم کرکے اپنی قادر الکلامی ومشاقی کا کتنا انوکھا ثبوت دیا ہے[7]

آپ دم بھر کو اگر آکے چلے بھی جاتے ایک بیمار کو مرنے کا سہارا ہوتا

آپ فرماتے ہیں کہ "اگر آپ دم بھر کو آکر چلے بھی جاتے تو ایک بیمار کے مرنے کا سہارا ہو جاتا" کیا دس بیس بیمار تھے جو "ایک" کی تخصیص کی گئی[8]؟

جب کوئی ذرہ مرے خاکستر دل کا اڑا جاتے جاتے انکی محفل تک وہی پروانہ تھا

"اڑا" کے ساتھ "ہوا" استعمال کرنا چاہیے تھا[9]۔

[1] بعد میرے جب "یقیناً مکروہ ہے لیکن مفہوم کے لحاظ سے کوئی اعتراض نہیں ہوتا (اڈیٹر)، [2] یقیناً آج کے بعد سے بالکل غلط ہے۔ (اڈیٹر) [3] اصلاح موزوں ہے۔ (اڈیٹر) [4] چونکہ شعر سے اصل مفہوم متبادر ہے اس لئے اظہار ضمیر کی ضرورت نہیں۔ (اڈیٹر) [5] اعتراض چنداں اہم نہیں ہے۔ (اڈیٹر) [6] اعتراض درست ہے (اڈیٹر) [7] شعر کا مفہوم کیا ہے۔ (اڈیٹر) [8] یہاں ایک تنکیری ہے تخصیصی نہیں (اڈیٹر) [9] یہ انداز بیان غلط نہیں (اڈیٹر)

دفتر عشق میں دل کو نہ سمجھنا مہمل　　لفظ بھی ہوگا یہی اور یہی معنی ہوگا

جب مصرع ثانی میں "لفظ" کے ساتھ "بھی" استعمال کیا گیا تو "معنی" نے کیا قصور کیا تھا! اس کے لئے بھی تو کسی صورت سے "بھی" کا استعمال کیا ہوتا[1]۔

ہو گئی مستوں پہ طاری آج دونی کیفیت　　تھیں نشیلی انکھڑیاں ساقی کی ساغر کا جواب

"کیفیت" کی یائے ثانی بالتشدید ہے اس کا صحیح تلفظ بر وزن مفعولن ہے نہ کہ فاعلن ——— رند لکھنوی کہتے ہیں ؎

یہ کیفیت اسے ملتی ہے جس کے مقدر میں
مئے الفت نہ خم میں ہے نہ شیشے میں نہ ساغر میں

اول تو "انکھڑیاں" قدیم لفظ، متروک الاستعمال ہے دوئم "انکھڑیاں" جمع اور ساغر واحد، پھر آنکھیں ایک ساغر کا جواب کیسے ہوسکتی ہیں[2]؟

اے ناشناس اہل وفا میں ترے نثار　　کیا سوچتا ہے خوں بھری تلوار دیکھکر

سوچتا کا نون اور "خوں بھری" میں نون غنہ کا استعمال قابل غور ہے۔

جا کبھی نجد کی جانب بھی عزیز　　روح مجنوں کو ذرا شاد تو کر

"بھی" اور "تو" کے اضافہ سے روح مجنوں شاد ہوگی یا ناشاد[3]؟

چھپے ہو تم تو بھلا پھر کہاں سے آئے بہار　　حجاب اٹھاؤ تو چلنے لگے ہوائے بہار

"ہوائے بہار" تو یقیناً چلنے لگے گی لیکن "بھلا" کا حسن استعمال آپ کی حسن شاعری پر نقاب پوشی ہی کرتا رہیگا[4]۔

پھبکتے آتے ہیں پودے گھٹائیں اٹڈی ہیں　　عجب سماں نظر آتا ہے مجھکو ہائے بہار

کیا اہل لکھنؤ کا یہ کوئی مخصوص محاورہ ہے کہ "پودے پھبکتے ہیں" اس جدید محاورہ سے کان آشنا نہیں! جب "عجب" کہدیا تو "ہائے" کی کیا ضرورت رہی[5]۔

گرمئی حسن سے کچھ آئی ہو تاثیر بہار　　یہ پسینہ ہے کہ ہے روغن تصویر بہار

"روغن تصویر" کی جدید ترکیب نے اس شعر کو اتنا بلند کر دیا کہ بے نیاز معنی ہو کر رہگیا[6]۔

---

[1] میرے نزدیک ضروری نہیں۔ (اڈیٹر) [2] کیفیت بغیر تشدید یا اردو میں مستعمل ہے۔ لفظ انکھڑیاں ان متروکات میں سے نہیں ہیں جن کا استعمال کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ رہا انکھڑیوں کا جواب ساغر ہونا ——— محض کیفیت کے لحاظ سے ہے اس لئے اس میں ایک اور دو کی بحث چھیڑنا درست نہیں۔ (اڈیٹر) [3] یقیناً "تو" کا استعمال مناسب نہ تھا۔ (اڈیٹر) [4] بھلا کا استعمال بالکل درست ہوا ہے۔ (اڈیٹر) [5] پھبکنا محاورہ ہے۔ البتہ ہائے کا استعمال درست نہیں۔ (اڈیٹر) [6] صحیح معنی میں لکھنوی رنگ کا شعر ہے۔ (اڈیٹر)

حلق پر پھیر کہ بر آئیگی امید وصال — عکس تیر ابھی ہے شمشیر میں شامل قاتل

صرع اولی کی تو کیا تعریف کروں البتہ اس کے جزو اول "حلق پر پھیر" کی ضرور تعریف کرونگا تاکہ ہر سامع کو ذم کا پہلو نظر نہ آئے "بھی" تو مستغنی تحسین و مرحبا ہے گویا قاتل کے سوا کسی دوسرے کا عکس بھی داخل شمشیر ہے[1]

مایوس کب ہوئے دل جذب آفریں سے ہم — کروٹ ابھی لوائیں گے سطح زمیں سے ہم

یقیناً زمین کا کروٹ لینا یا لوانا تو داخل محاورہ ہے لیکن "سطح زمین کا کروٹ لوانا" عجیب بات ہے[2]۔

حسرت تعمیر ہے اپنے خرابے کی ہمیں — آسماں اس فکر میں ہے اور ہم ویراں کریں

ہمیں "کے بعد "ہم" کی کیا ضرورت تھی[3]۔

بے سبب تیرے لب نہیں خاموش — کر رہی ہیں تری نظر باتیں

جمع کے ساتھ جمع استعمال کیجئے، یوں کہنا چاہئے (نثر) تیری نظریں باتیں کر رہی ہیں[4]۔

ہے اک فریب ہمت ناکامی خیال — مشکل جو کام ہے وہی دشوار بھی نہیں

ناکامی خیال کے ساتھ "فریب ہمت" سبحان اللہ کتنی دلکش ترکیب ہے مصرع ثانی میں "جو" کے ساتھ "وہ" استعمال کرنا چاہئے تھا اور اگر "وہی" کا استعمال مناسب تھا تو "بھی" کس مصرف کا[5]؟

پھر حسن و عشق میں تھا بھلا امتیاز کیا — ہوتا اگر یہ دل ہی میرے اختیار میں

"یہ" کہنے کی کیا ضرورت ہے "دل" دو تو نہیں کہ ان کے لئے اشارہ کرنا لازمی ہو "ہی" اور "بھلا" کا کیا ذکر، یہ بے نیاز داد ہیں[6]

چھپتے کیوں ہو جو سر تا بقدم دیکھتے ہیں — یہ کوئی اور نہیں ہے تمہیں ہم دیکھتے ہیں

اس جگہ "یہ" بے نیاز معنی ہے اگر یوں ہوتا کہ "یہاں" کوئی اور نہیں تو خیر مطلب صاف ہو جاتا[7]

یاد پھر آئی کوئی صحبت دیرینہ عزیز — مجلس وعظ میں اب آپ کو کم دیکھتے ہیں

حضرت! "یاد پھر آئی" کو مصرع ثانی سے کیا نسبت! یوں کہئے "یاد آتی ہے ہمیں صحبت دیرینہ عزیز"[8]

اس کے حریم ناز کا کیا پوچھنا بھلا — گھیرے ہوئے ہے عرش کو جو آشیانے میں

آشیانہ میں عرش کا گھیرنا کیا معنی[9]؟

---

[1] ذم کا کوئی پہلو موجود نہیں اور نہ بھی کا استعمال غلط ہوا ہے۔ (اڈیٹر) [2] مبالغہ میں عجیب ہی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ (اڈیٹر) [3] لفظ ہم کہیں آسمان کے لئے نہ ہو یعنی ویرانی کی فکر آسمان نہ کر رہا ہو۔ (اڈیٹر) [4] ممکن "ہو کر رہی ہے" ہو۔ [5] مصرعۂ اولیٰ میں تو کوئی غلطی نہیں، البتہ دوسرا مصرعہ قابل اصلاح ہے۔ (اڈیٹر) [6] یقیناً شعر محتاج اصلاح ہے۔ [7] یہ کا استعمال درست ہے۔ (اڈیٹر) [8] اصلاح بری نہیں ہے۔ (اڈیٹر) [9] معنی تو ہیں لیکن نہ ہونے کے برابر۔ (اڈیٹر)

ذیل میں پانچ چار شعر صرف ایسے درج کرتا ہوں جن میں حشو قبیح نمایاں ہے[1]

کون سمجھا ہے بھلا وسعت کاشانۂ دل شرح کونین ہے دیباچۂ افسانۂ دل

دم الٹ جائے گا عزیز عزیز رہ نہ خاموش کچھ تو کر باتیں

اب تک کچھ آشیاں کا سماں سا نظر میں ہو گو میں قفس میں تازہ گرفتار بھی نہیں

بس اب تو چین سے سو شور بھی جہاں میں نہیں کہ سانس تک ترے بیمار ناتواں میں نہیں

زہر دیتے ہیں مجھے یا کہ دوا دیتے ہیں چارہ سازوں سے یہ پوچھو تو کہ کیا دیتے ہیں[1]

چارہ گر چپ ہیں کیوں علاج کریں کچھ تو اپنے کیئے کی لاج کریں

شعر سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ چارہ گر نے کیا تکلیف دی[2]۔

عبرت اے اہل نظر جسپہ بُرا وقت پڑے کیا کرے آہ وہ چلتے میں بھی بیزار نہ ہو

"چلتے میں بھی" کیا انوکھا ٹکڑا ہے جس نے شعر کو بے نیاز معنی کر دیا[3]۔

چارہ سازوں سے نکالی ہو کہاں کی دوستی وہ نہیں جب مہرباں تو مہرباں کوئی نہ ہو

عزیز صاحب نے پابندئ ردیف سے مجبور ہو کر "نہو" بمعنی "نہیں" استعمال کیا[4]۔

وہ ستم پیشہ فلک ظلم ایجاد اُنسے ہوتی ہے تو ہو لینے دو

جہاں تک میرے مطالعہ کتب کا تعلق ہے، اساتذۂ متقدمین و موخرین کے کلام میں "ستم ایجاد" نظم دیکھا گیا ہے اور بعض مسلم الثبوت اساتذۂ ہند سے یہی سُنا بھی ہے اس لئے "ظلم ایجاد" قابل تسلیم نہیں[5]۔

دیکھو انجام کہ آنکھوں میں بھر آئے آنسو ظلم ہے یوں بھی کسی کو نہ ہنسا تے جاؤ

عزیز صاحب معشوق سے مخاطب ہو کر کہنا چاہتے ہیں کہ "یوں کسی کو نہ ہنساؤ کہ آنکھوں میں آنسو بھر آئیں" لیکن ردیف کی پابندی نے مجبور کر دیا کہ بجائے ہنساؤ کے ہنساتے جاؤ لکھیں[6]۔

---

[1] پہلے شعر میں بھلا حشو نہیں ہے، البتہ بجائے سمجھا ہے کے اگر سمجھے گا ہوتا تو بہتر تھا۔ دوسرے شعر میں عزیز حشو نہیں ہے بلکہ عزیز (تخلص) کی صفت ہے۔ تاہم یہ تکرار اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ تیسرے شعر میں لفظ بھی البتہ غیر ضروری ہے۔ چوتھے شعر میں بھی بیشک بیکار ہے۔ پانچویں شعر میں تو اور کہ دونوں درست ہیں (اڈیٹر)

[2] غالباً یہ تکلیف کہ محبوب کو چپ سے پکڑ کر زبردستی لے آئے تاکہ جنون کا مداوا کریں (اڈیٹر) [3] یقیناً یہ ٹکڑا کوئی معنی نہیں رکھتا اور اگر اس کے معنے آخری وقت کے ہیں تو زیادہ مہمل ہیں (اڈیٹر) [4] جو یقیناً غلط ہے۔ (اڈیٹر) [5] اگر ظلم و ستم دونوں مترادف ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ستم ایجاد تو صحیح ہو اور ظلم ایجاد غلط۔ ستم ایجاد ان محاوروں میں سے نہیں ہے جن میں تصرف نادرست قرار دیا جائے۔ (اڈیٹر) [6] اگر ردیف کی پابندی نہ ہو تو دوسرا مصرعہ یوں ہونا چاہئے "ظلم ہے یوں بھی کسی کو نہ ہنسائے کوئی"۔ صحیح مفہوم صرف ہنساؤ سے بھی نہیں پیدا ہوتا۔ (اڈیٹر)

کھینچ کر آہ اڑا دونگا ورق کو تیرے ……… اے زمانہ کی روش تجھکو بہت ناز نہ ہو

عزیز صاحب کے کلام میں اکثر ایسی ہی انوکھی ترکیبیں ہوتی ہیں کہ شعر مہمل ہو جاتے ہیں۔ "زمانہ کی روش کا ورق" شائد ہوتا ہو لیکن صرف زمانہ کا ورق کبھی سننے میں نہیں آتا۔ اسی طرح "ناز نکر" کی بجائے "ناز نہو" کہنا بھی مناسب نہیں۔[۱]

آج صیاد نے فرمان رہائی تو دیا ……… مگر ان کو کہ جنھیں طاقت پرواز نہ ہو

"نہیں" یا "نہ تھی" کہنے کی جگہ "نہو" کہدیا گیا جو درست نہیں۔[۲]

تمنا وصل کی تھی جس کو سمجھے دم نکلتا ہے ……… یہی ارمان ہے جو زندگی میں کم نکلتا ہے

مصرع اولیٰ میں تمنا کہنے کے بعد مصرع ثانی میں "ارمان" کی کیا ضرورت رہی؟[۳]

ہاں ملا دے دشت کو اے وسعت شوق جنوں ……… ہے بہت کم اپنے کاشانے کی بربادی مجھے

"مجھے" بمعنی "میرے لئے" کہکر محاورہ میں اضافہ کیا گیا۔[۴]

یارب ایسے رشک کا بھی کچھ ٹھکانا ہے کہیں ……… خود نہیں منظور اسکے گھر کی دربانی مجھے

"کچھ" کے بعد "کہیں" کی ضرورت کو عزیز صاحب ہی بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔[۵]

اے خدا اس بزم میں اس بیکسی کی داد دے ……… میں اکیلا اک طرف اور ساری محفل ایک ہو

"اس بزم" کی بجائے "انکی بزم" کہتے تو خیر کوئی معنی نکل سکتے تھے، یہ کیا؟ "میں اکیلا اک طرف اور ساری محفل ایک ہو" "اکیلا اک طرف" کی ساتھ مصرع کے توازن کا خیال رکھتے ہوئے "ساری محفل اک طرف" کہنا چاہئے تھا۔[۶]

چراغ راہ نہ بن نور دیدۂ یعقوب ……… کہ دشت عشق میں ہے یوں ہی جستجو ہوتی

مصرع ثانی میں "ہے" اور "ہوتی" کا فاصلہ، فن شاعری میں سخت معیوب ہے۔[۷]

ہے یہ وقت امتحان چشم تر ……… رونے والے آبرو رہ جائیگی

"اگر تو نے اشکباری کی" یا اسی قسم کا کوئی دوسرا جملہ اضافہ کئے بغیر مفہوم شعر کی تکمیل نہیں ہوتی۔[۸]

---

۱ "زمانہ کا ورق"۔ اور ۔ "زمانہ کی روش کا ورق" دونوں غلط ہیں تاوقتیکہ پہلے زمانہ کو کسی ایسی چیز سے منسوب نہ کریں جس میں ورق پایا جاتا ہے مثلاً "ورق کتاب دہر" بیشک درست ہے۔ ناز نہ ہو میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ یہاں "نہ ہو" "نہ ہونا چاہئے" کے مفہوم میں مستعمل ہوا ہے۔ (اڈیٹر) ۲ یقیناً نامناسب ہے۔ (اڈیٹر) ۳ ارمان کی تکرار دوسرے مصرعہ میں نادرست نہیں ہے۔ (اڈیٹر) ۴ فارسی میں تو بیشک مگر اس معنی میں مستعمل ہوتا ہے، لیکن اردو میں مجھے کا استعمال اس مفہوم میں یقیناً غلط ہے۔ (اڈیٹر) ۵ اگر کہیں کی جگہ بھلا ہوتا تو بہتر تھا۔ (اڈیٹر) ۶ اعتراض درست ہے۔ (اڈیٹر) ۷ علاوہ اس کے دوسرا عیب اس شعر میں یہ ہے کہ یونہی کا صرف سمجھ میں نہیں آتا۔ (اڈیٹر) ۸ دوسرے مصرعہ کو حقیقت اس مفہوم کے ساتھ پیش کرنا چاہئے تھا کہ "اگر تو نہ رویا تو آبرو رہ جائیگی" لیکن بجائے منفی جملہ شرطیہ کے مثبت استعمال کیا گیا جس نے شعر کی قوت کو بہت کم کر دیا۔ علاوہ اس کے جیسا کہ معترض کا اعتراض ہے پورے ایک فقرہ کی بھی کمی محسوس ہوتی ہے۔ (اڈیٹر)

یقین ہے مجھ سے ملاقات اُس سے ہو جائے تیری تلاش میں پہلے جو آپ کھو جائے

مصرع اولیٰ میں "اُس سے" کی بجائے "اس کی" ہونا چاہئے تھا۔ علاوہ اس کے دوسرے مصرعہ میں پہلے کا اضافہ بھی بیکار ہے۔[1]

دکھاؤں کسکو میں زعشق طاقت جذب کامل کی کھچے بیٹھے ہیں وہ یاں ٹوٹی جاتی ہیں رگیں دل کی

"جذب کامل کی طاقت" اور "یاں" کی تو کیا تعریف کی جائے۔ یہ شعر ہر صاحب عقل و فہم کی سمجھ سے ارفع و اعلیٰ ہے معلوم نہیں کہ "طاقت جذب کامل" کی داد خواہی ہے یا "دل کی رگیں ٹوٹنے" کا افسوس۔[2]

یاد آہی جاتا ہے کبھی ناصح کا قول بھی سب کیجیے جہاں میں محبت نہ کیجیے

"سب" کی بجائے کسی صورت سے "سب کچھ" کہا جاتا تو مصرع ثانی با معنی ہو سکتا تھا۔ مصرع اولیٰ میں "ہی" اور "کبھی" کے بعد "بھی" کی کیا ضرورت رہی![3]

برق سے خورشید سے گلہائے رنگارنگ سے مختلف شکلوں سے صورت اُس نے دکھلادی مجھے

"دکھلادی" اول تو متروک ہے دوسرے معنی و مفہوم کے لحاظ سے "دکھلائی" کی جگہ "دکھلادی" استعمال کیا گیا۔[4]

دہرا رہے ہو تم جسے تلوار ٹیک کر تقریر کیا یہی تھی کسی عذر خواہ کی

"ٹیک کر" یہ لفظ اکثر گاؤں کے باشندوں کی زبان سے سننے میں آیا کرتا تھا آج معلوم ہوا کہ اہل لکھنؤ کے یہاں بھی مروج ہے اگر تھوڑی دیر کے لئے اس سے قطع نظر کیجائے تو شعر میں شروع سے آخر تک "تلوار ٹیکنے" کی نہ وجہ معلوم ہوئی نہ جگہ۔ خدا جانے مقصد کیا ہے؟[5]

صبح ہجراں ہے نسیم سحری آتی ہے سانس کچھ کچھ ابھی بیمار میں بھی آتی ہے

"بیمار کے سانس آنے کی" علت؟ صبح ہجراں میں نسیم سحری کی آمد سے بیمار میں سانس کیونکر آئے گی؟ معلوم ہوتا ہے کہ مطلع بنانے کے لئے "سحری" کے قافیہ کے لئے "بھی" کا استعمال کیا گیا جو یقیناً بلا ضرورت ہے۔[6]

کوئی سیاح خرابے پہ مرے جب گزرا غور سے دیر تک اُس نے وہ مکاں دیکھا ہے

کوئی "خرابے پہ" گزرتا ہے یا "خرابے سے"؟ "خرابے" بمعنی ویران جگہ، جو مقام ویران ہو اس کو مکان کیسے کہہ سکتے ہیں؟ "دیکھا" کے ساتھ "ہے" کی ضرورت جبکہ مصرع اولیٰ میں صرف "گزرا" لکھا گیا۔[7]

---

[1] اعتراض بالکل درست ہے۔ (اڈیٹر) [2] یہ شعر اپنے معنے کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔ پہلے مصرعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر جذب کامل کی طاقت دکھانا چاہتا ہے۔ درانحالیکہ دوسرے مصرعہ میں "کھنچے بیٹھے ہیں وہ" کہکر بجائے طاقت کے اسکا ضعف ثابت کیا جارہا ہے۔ (اڈیٹر) [3] "سب کچھ" ہوتا تو بہتر تھا۔ دوسرا اعتراض درست نہیں۔ (اڈیٹر) [4] "دکھلا دینا" کیوں متروک مانا جائے۔ (اڈیٹر) [5] ٹیکنا محاورہ ہے اور اہل لکھنؤ کا۔ تلوار ٹیکنے کی حالت بطور محاکات دکھائی ہے۔ تاکہ قاتل یا محبوب کی "وضع خون آشامی" پر روشنی پڑے۔ دونوں اعتراض غلط ہیں۔ (اڈیٹر) [6] اس شعر پر سب سے بڑا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ دوسرے مصرعہ میں "آتی ہے" بجائے "باقی ہے" کے استعمال کیا گیا ہے۔ یوں نہیں بولتے کہ "بیمار میں ابھی سانس آتی ہے" بلکہ "سانس باقی ہے" کہتے ہیں۔ (اڈیٹر) [7] مکان بمعنی جگہ یا مقام استعمال کیا گیا ہے۔ جو استعمال نہ ہوتا تو بہتر تھا۔ دوسرے مصرعہ میں "ہے" یقیناً بیکار ہے۔ (اڈیٹر)

کب سے دکھا رہا ہوں دل داغ داغ کو کچھ تو نگاہ ناز سے تنقید کیجیے

"کو" کا بے محل استعمال داد طلب ہے اگر "کو" کی جگہ "میں" کہدیا جاتا تو کسی حد تک یہ عیب دور ہو سکتا تھا۔[۱]

دیدنی ہے بزم مے میں دور دور بیخودی رند ادھر بیہوش ہیں ساقی ادھر بیہوش ہے

"بزم مے میں" تین میم کا اجتماع اور اسپر "دور" کی تکرار لائق صد تحسین و مرحبا ہے۔ شاعر نے "دورِ دورۂ بیخودی" کی[۲] لطیف مرکب کو "دور دور بیخودی" کے کثیف مرکب سے تبدیل کر کے اور ظلم کیا۔[۳]

اُف ری گرمی آفتاب حسن محشر خیز کی دیکھتا ہوں جس کو میں غرق عرق تا دوش ہے

"آفتاب حسن محشر خیز" کی پاکیزہ ترکیب کا کیا کہنا! اُس پر "تا دوش" کا اضافہ اور بھی لطف دے رہا ہے۔ پسینے میں کاندھے تک غرق ہو جانا بھی شان استادی[۴] ہے۔

یہ مشورہ بہم اُٹھے ہیں چارہ جو کرتے اب اس مریض کو اچھا تھا قبلہ رو کرتے

"مشورہ" بہم ہی ہوا کرتا ہے نہ کہ تنہا، پھر "بہم" کی کیا ضرورت رہی؟ "چارہ جو کرتے" خلاف محاورہ ہے "چارہ جوئی کرتے" کہنا چاہیے تھا۔[۵]

ہوئی ہے دیر کہ کچھ ہوش بخیہ گر کو نہیں کہو کہ زخم جگر میں یہ کیا رفو کرتے

حالت مفعولی میں ہمیشہ اسم جمع "وں" کے ساتھ آتا ہے، اس لئے بجائے "بخیہ گروں" کے صرف "بخیہ گر" لکھکر اس سے جمع مراد لینا قاعدہ کے خلاف ہے اور اگر اسے واحد تصور کیا جائے تو دوسرے مصرع میں ردیف غلط ہوئی جاتی ہے۔[۶]

مجھے جب غور سے دیکھا عیادت کرنیوالوں نے بسا ط خواب پر دھندلی سی اک تصویر نکلی ہے

"دیکھا" اور "نکلی" دونوں ہم زمانہ، پھر "نکلی" کے ساتھ "ہے" کیسا؟[۷]

[۱] معترض کے اس اعتراض سے تو مجھے اتفاق نہیں ہے، لیکن دوسرا مصرعہ معنی کے لحاظ سے ضرور محل نظر ہے۔ اس سے یہ صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ تنقید نگاہ ناز کریگی یا محبوب کریگا اس حال میں کہ نگاہ ناز صرف ہو رہی ہوگی۔ مدعا شاعر کا صرف یہ ہے کہ کب سے میں دل پر داغ دکھا رہا ہوں، ایک نگاہ دیکھ تو لیجئے اسلئے دیکھنے کے مفہوم کو "نگاہ ناز کی تنقید" سے ظاہر کرنا محض تصنع و آورد ہے۔ (اڈیٹر) [۲] مصرعہ یوں ہوتا تو بہتر تھا۔ بزم میں یہ بیخودی کا دور بھی ہے دیدنی۔ لفظ مے کا اظہار پہلے مصرعہ میں غیر ضروری ہے جبکہ دوسرے مصرعہ سے بزم کی نوعیت ظاہر ہے۔ (اڈیٹر) [۳] "آفتاب حسن محشر خیز" میں تو کوئی حرج نہیں، لیکن دوسرا مصرعہ بالکل مہمل ہے اور تا دوش کی تعیین لغو۔ پسینہ سر سے کیوں نہیں گزر گیا۔ علاوہ اس کے مفہوم بھی کوئی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ جب مقصود واقعی پسینہ نہیں ہے تو پھر تا دوش کیا؟ (اڈیٹر) [۴] اُٹھے ہیں اور کرتے کے درمیان اس قدر فصل ہے کہ مصرعہ معیوب ہو گیا علاوہ اس کے مفہوم کے لحاظ سے بھی شعر ناقص ہے۔ مریض کو قبلہ رو کر دینا کوئی ایسا اہم مسئلہ نہ تھا کہ چارہ گر اس کے لئے باہم مشورہ کرنے بیٹھ جاتے کیا خود ایسا نہ کر سکتے تھے۔ (اڈیٹر) [۵] علاوہ اس نقص کے بیان کی تعقید بھی پائی جاتی ہے۔ (اڈیٹر) [۶] اعتراض درست ہے۔ (اڈیٹر)

گرد اڑی ہے صبح کو جو رفت و روب دیر سے　　　　کعبہ جاتے وقت وہ چہرہ پہ ملتے جائیں گے

"رفت و روب دیر" کی جدت ترکیب قابل داد ہے۔[۱]

یہ درازی شب غم کی یہ بلاؤں کا ہجوم　　　　اس پر اندھیر کہ آنکھوں میں کٹی رات مجھے

"مجھے آنکھوں میں رات کٹی" کیا پاکیزہ محاورہ اور چست بندش ہے[۲]؟

یہ مانا کہ فرصت بہت تم کو کم ہے　　　　ٹھہر جاؤ دم بھر ابھی دم میں دم ہے

کس کے دم میں دم ہے؟ اگر قافیہ کے ماقبل "دم" کو "مجھ" سے تبدیل کر دیا جاتا تو یہ نقص[۳] نکل جاتا۔

کبھی دل میں میرے چمک سی اٹھی تھی　　　　اب ایک آبلہ آج سر تا قدم ہے

مصرع ثانی میں "اب" اور "آج" کا اجتماع قابل غور ہے[۴]۔

مٹے طلسم تصور تو اب قدم اٹھیں　　　　کہ ذرہ ذرہ پہ تصویر یار راہ میں ہے

شعر کو ہزار بار نظر غائر سے دیکھا لیکن کوئی مفہوم[۵] سمجھ میں نہیں آیا۔

دیکھ کر وہ نزع کی تکلیف ان کا التفات　　　　زندگی بھر میں ہمیں راحت کبھی ایسی نہ تھی

کونسا عالم نزع؟ آخر "وہ" کا اشارہ کس طرف ہے[۶]؟

دیتا نہ عزیز آنکھ کو گردش دم آخر　　　　بیٹھے ہیں سرہانے ترے ارباب نظر بھی

"گردش نگاہ" کی جگہ آپ نے "آنکھ کی گردش" لکھا۔ علاوہ اس کے دوسرے مصرعہ میں لفظ "بھی" سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید غیر ارباب نظر بھی بیٹھے تھے[۷]۔

---

[۱] پہلا مصرعہ یوں ہوتا تو بہتر تھا۔ گرد اڑی ہے صبح کو جو آستاں دیر سے۔ دوسرے مصرعہ میں لفظ وہ بھی محل نظر ہے جو اُسے کی جگہ استعمال ہوا ہے (اڈیٹر)
[۲] مجھے، میری جگہ استعمال کیا گیا جو غلط ہے۔ شعر مفہوم کے لحاظ سے بھی ناقص ہے۔ کیونکہ جب شب غم میں بلاؤں کا ہجوم ہوگا تو "آنکھوں میں رات کٹنا" کونسی حیرت انگیز بات ہے جس پر اندھیر کی صدا بلند کی جاتی ہے۔ (اڈیٹر) [۳] یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ شعر کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ کس کا دم مراد ہے۔ (اڈیٹر) [۴] اس نقص کے علاوہ دوسرا نقص یہ ہے کہ "سر تا قدم" آبلہ کون ہے دل یا خود شاعر؟ اگر دل مقصود ہے تو سر تا قدم کہنا مہمل بات ہے اور اگر اس سے مراد شاعر ہے تو دوسرے مصرعہ میں بجائے ہے کے ہوں ہونا چاہئے اگر ہے کا فاعل چمک کو قرار دیا جائے تو بیشک تاویل ہو سکتی ہے لیکن مصرعہ کے الفاظ سے جو انتشار خیال پیدا ہوتا ہے اس کا کیا علاج؟ (اڈیٹر) [۵] شعر کا مفہوم ظاہر ہے۔ مدعا یہ ہے کہ چشم تصور نے ہر ہر ذرہ کو تصویر یار بنا دیا ہے اس لئے جب تک طلسم تصور نہ مٹے قدم کیونکر اٹھ سکتے ہیں۔ (اڈیٹر) [۶] پہلا مصرعہ بری طرح نظم کیا گیا ہے۔ یوں ہونا چاہئے تھا۔ نزع کی تکلیف میں مجھ پر وہ ان کا التفات! (اڈیٹر) [۷] دونوں اعتراض غلط ہیں "آنکھ کو گردش دینا" نہ خلاف محاورہ ہے نہ خلاف واقعہ" رہا غیر ارباب نظر کا موجود ہونا سو یہ بھی ناممکن نہیں۔ (اڈیٹر)

معاذ اللہ کچھ پوچھو نہ میرے دل کی بربادی   نگاہوں میں مرے ویرانہ ہی ویرانہ آتا ہے

میری نگاہوں میں ویرانہ ہی ویرانہ آتا ہے" کیا معنی؟ "نگاہوں میں ہے" کہنا چاہئے تھا[۵۱]۔

مری مردہ حسرتوں پر وہ ہیں کون ہنسنے والے   کوئی نوحہ خوان آئے کوئی اشکبار آئے

"نوحہ خوان" کے نون کی کیا داد دیجا سکتی ہے[۵۲]؟

الٰہی وہ شفق بنکر دیارِ حسن میں پھولے   برابر خونِ دل جو صبح سے تا شام آتا ہے

اردو اور فارسی میں "از صبح تا شام" یا "صبح تا شام" نظر سے گزرا ہے شائد اب "صبح سے تا شام" جدید محاورہ کا اضافہ کیا گیا ہو۔ "خونِ دل" نہیں معلوم منہ سے نکلتا ہے یا آنکھوں سے یا کہیں اور سے، شعر میں تو کوئی صراحت نہیں[۵۳]۔

مگر ہم آج جذبِ خاک دامنگیر دیکھیں گے   زمین کوچۂ جاناں تری تاثیر دیکھیں گے

مصرعہ اولیٰ میں "مگر" کی افزائش کتنی اچھی معلوم ہوتی ہے[۵۴]!

مزہ نہ دیگی بھلا تم سے داستاں میری   کہاں زبان تمھاری کہاں زباں میری

"بھلا" کو نظر انداز کرنے پر بھی مصرعِ ثانی میں "زبان" میں ایک جگہ نون معلن اور دوسری جگہ نون غنہ کا استعمال کیا گیا ہے[۵۵]۔

جس کو سمجھ رہا ہوں کہ میری حیات ہے   بگڑے وہ بات بات پہ کہنے کی بات ہے

بغیر اس کے کہ عزیز صاحب نے تین جگہ "بات" کو نظم کر دیا اور کیا فائدہ ہوا دونوں مصرعوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے "کہنے کی بات ہے[۵۶]" یا "نہیں" اسی طرز پر ایک اور شعر سنکر لطف اندوز ہو جئے۔

آج کل تیار اُن کا ہاتھ ہے   دل اڑا دینا بھی کوئی بات ہے

"تیار" بمعنی موجود، حاضر، "ہاتھ کا تیار" ہونا کیا معنی! "ہاتھ" ہائے مخلوط پر ختم ہوتا ہے نہ کہ تائے فوقانی پر، بات، رات، کے ساتھ قافیہ کر لینا خاندان داغ کے علاوہ جائز نہیں[۵۷]۔

وہ دن رہے عزیز نہ وہ رات رہ گئی   اہل نظر میں صرف مری بات رہ گئی

"دن رہے" کی ساتھ "رات رہی" کہنا چاہئے تھا[۵۸]۔ اسی طرز پر ایک اور شعر فرماتے ہیں۔

---

[۵۱] یقیناً آتا ہے بالکل غلط استعمال ہوا ہے۔ (اڈیٹر) [۵۲] اعلان نون بالکل غلط ہے۔ (اڈیٹر) [۵۳] اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں ایک نقص یہ بھی ہے کہ لفظ برابر نہایت نامناسب جگہ لایا گیا ہے۔ (اڈیٹر) [۵۴] مگر کا استعمال کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ لیکن شعر مفہوم کے لحاظ سے کچھ نہیں ہے۔ (اڈیٹر) [۵۵] بھلا کا استعمال بالکل صحیح ہے اور زبان میں ایک جگہ نون معلن اور دوسری جگہ نون غنہ کا استعمال بھی غلط نہیں۔ (اڈیٹر) [۵۶] مجھے اعتراض صرف اس بات پر ہے کہ محبوب کو جان کہا جاتا ہے یا حیات! (اڈیٹر) [۵۷] ہاتھ، نظم میں بات کے ساتھ آ سکتا ہے اور ہاتھ کا تیار ہونا محاورہ ہے جس کے معنے مشاقی کے ہیں۔ (اڈیٹر) [۵۸] اس اعتراض سے مجھے اختلاف ہے۔ (اڈیٹر)

حد ہوئی مشق ستم کی آپ کے حد ہو گئی — کوئی بھی وہ سرزمیں ہو جس جگہ تربت نہیں

اس میں بھی ایک جگہ "حد ہوئی" اور دوسری جگہ "حد ہو گئی" کہا گیا[1]۔

کون سنتا ہے جناب شیخ کی — اب زمانہ آج کل آزاد ہے

"اب" اور "آج" کا اجتماع قابل ملاحظہ ہے[2]۔

منزلِ ہستی میں اے آئندگان رفتنی — دیکھتے جانا ٹھہر کر خانہ ویرانی مری

"آئندگان رفتنی" کی پاکیزہ ترکیب کی کوئی کیا داد دے سکتا ہے؟ "اے جانے کے لائق آنے والو" تجدید کی حد ہو گئی![3]

جبہ سائی نے ابھارا سوزِ دل کو اس قدر — سنگ در سے اُن کے کو دے اُٹھی پیشانی مری

"پیشانی کا لَو دینا" کوئی محاورہ نہیں۔ اگر شمع پیشانی کہا جاتا تو درست ہو سکتا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اظہار مفہوم میں مجبور رہے جس کی وجہ سے شعر اچھا خاصہ معما بن گیا[4]۔

مضمون طوالت پکڑتا جاتا ہے لہذا ذیل میں پانچ سات شعر ایسے درج کر کے ختم کرتا ہوں جن میں حشو قبیح نمایاں ہے[5]۔

کون سنتا ہے دردِ دل کو عزیز — کس سے یہ شکوہ و شکایت ہے

کچھ تو ہو بیٹھے ہوئے ہیں واعظانِ شہر سب — ورنہ میخانہ میں تو صحبت کبھی ایسی نہ تھی

ہے یہ بھی خبر جذبۂ تاثیر کے مالک — محتاج ہے تیرا کوئی مایوس اثر بھی

ارباب عشق میں تھا بہم آج مشورہ — اک مقبرہ عزیز کا تعمیر ہو نہ جائے

کہتی ہے روح نزع میں رستہ دکھا چکے — جاتے ہیں ہم خود آپ یہاں وہ تو آ چکے

تیرے وعدے کی حقیقت کو ہمیں سمجھے رہے ہیں — وہ مریض زندگی ہے جسے اعتبار آ ہے

مانا کہ دردِ دل کی جہاں میں دوا بھی ہے — اے چارہ گر بتا کہ کوئی شے قضا بھی ہے

شاد صابری

---

[1] حد کی تکرار اچھی نہیں ہے۔ (اڈیٹر) [2] اب اور آج کل کا اجتماع نامناسب ہے۔ (اڈیٹر) [3] یقیناً تغزل میں ایسی ترکیبوں کا استعمال موزوں نہیں۔ (اڈیٹر) [4] محاورہ کا یہاں کوئی ذکر نہیں کہ اس پر نگاہ کی جائے۔ لیکن مفہوم کے لحاظ سے ضرور تھوڑا سا نقص پایا جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جب سوزِ دل جبہ سائی کی وجہ سے اُبھرا تو پیشانی کیوں لَو دے اٹھی۔ پہلا مصرعہ یوں ہونا چاہئے تھا۔ "سوزِ دل نے جبہ سائی کو اُبھارا اس قدر"۔ (اڈیٹر) [5] ان میں سے کسی شعر میں حشو قبیح نہیں ہے۔ (اڈیٹر)

شاعر کا انجام ۸ر، جبر و تبسم عہ، موج تبسم ۱۲ر، فراست الید عہ، مذاکرات نیاز ۱۲ر (منیجر نگار لکھنؤ)

باب الاستفسار

ہاروت و ماروت - زہرہ - اسم اعظم

(جناب سید زین العابدین صاحب - حیدر آباد دکن)

براہ کرم مطلع فرمائیے کہ قرآن پاک میں "ہاروت و ماروت" کا جو ذکر آیا ہے، اس کا صحیح مطلب کیا ہے اور عام طور پر جو قصہ ہاروت و ماروت کے متعلق مشہور ہے کہ وہ دو فرشتے تھے اور زمین پر آکر زہرہ نامی کسی فاحشہ عورت سے آلودہ ہو کر چاہ بابل میں قید کر دئیے گئے اور زہرہ اُن سے اسم اعظم سیکھ کر آسمان پر پہونچ گئی، کہاں تک قابل اعتماد ہے اور اس روایت کا صحیح ماخذ کیا ہے۔

(نگار) دوران قیام حیدر آباد میں متعدد استفسارات زبانی و تحریری مجھ سے کئے گئے، جن میں سے بعض کا جواب تو میں زبانی دے چکا ہوں اور بعض کا ذریعہ نگار دینا ہے۔ ان میں زیادہ اہم استفسار ایک تو یہی ہے جو درج کیا جاتا ہے اور دوسرا جوش ملیح آبادی اور علی اختر کی شاعری کے متعلق ہے کہ ان دونوں کی شاعری میں کیا فرق ہے اور کس کو کس پر ترجیح دی جانی چاہئے۔ اس اشاعت میں استفسار اول کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور دوسرے استفسار کو اشاعت آئندہ پر ملتوی کرتا ہوں۔

کلام پاک میں ہاروت و ماروت کا ذکر جس آیت میں آیا ہے وہ سورۂ بقر کی آیت ع ۱۰۲ ہے اور اسکے الفاظ یہ ہیں:-

وما کفر سلیمان ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر - وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت وماروت وما یعلمان من احد حتی یقولا انما نحن فتنة فلا تکفر فیتعلمون منھما ما یفرقون بہ بین المرء و زوجہ - اس کا ترجمہ یہ ہے:-

اور سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا جو لوگوں کو سحر سکھاتے تھے اور بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر کچھ نازل نہیں کیا گیا اور وہ کسی کو سحر نہ سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم امتحان میں پڑے ہوئے ہیں۔ تم کفر میں مبتلا نہ ہو۔ پس وہ لوگ سیکھتے تھے ان دونوں سے وہ چیز جس سے میاں بیوی میں جدائی ہو جاتی

اس آیت کے اگر معنی یہی ہیں اور بغیر کسی تاویل کے اس کا مفہوم متعین کیا جاتا ہے تو اس سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:-

۱- بابل میں دو فرشتے تھے جن کا نام ہاروت و ماروت تھا۔
۲- وہ کسی عذاب میں مبتلا کیے گئے تھے جس کی صراحت نہیں کی گئی۔
۳- جب وہ کسی کو جادو سکھاتے تھے تو پہلے اس کو باز رکھتے تھے۔
۴- لوگ ان فرشتوں سے میاں بیوی کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے کا جادو سیکھا کرتے تھے۔

مفسرین نے احادیث کے استناد پر اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

"جب فرشتوں نے بزمانۂ حضرت ادریس انسانوں کے خراب اعمال دیکھے تو انھوں نے خدا سے کہا کہ اے خدا کیا یہ اعمال اسی مخلوق کے ہیں جسے تو نے اپنا خلیفہ و نائب بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ یہ سنکر خدا نے ارشاد فرمایا کہ "اگر میں تم کو بھی انھیں خواہشات کے ساتھ زمین پر بھیجتا جو نوع انسان میں پیدا کی گئی ہیں تو تم بھی وہی کرتے جو انسان کرتا ہے"۔

یہ سنکر فرشتوں نے کہا کہ "اے رب، یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم سے تیری مرضی کے خلاف کوئی حرکت سرزد ہو"۔ اللہ نے فرمایا کہ "اچھا تم اپنے میں سے دو بہترین فرشتے منتخب کرو، میں اُنھیں زمین پر بھیجوں گا"۔ بس اُنھوں نے دو فرشتے منتخب کیے جو نہایت متقی و پرہیزگار تھے۔

ثعلبی اور کلبی نے لکھا ہے کہ اللہ نے تین فرشتوں کے انتخاب کا حکم دیا، چنانچہ تین فرشتے منتخب کیے گئے ایک کا نام عزا تھا (یعنی ہاروت) دوسرے کا عزابا (یعنی ماروت) اور تیسرے کا عزرائیل۔

جب انتخاب کی کارروائی عمل میں آ چکی تو اللہ نے ان فرشتوں میں انسانی خواہشات بھر دیں اور زمین کی طرف بھیجدیا۔ چلتے وقت اُن کو حکم دیا گیا کہ دیکھو شرک و قتل، زنا و میخواری سے بچنا اور لوگوں کا فیصلہ پورے انصاف سے کرنا۔

عزرائیل نے تو یہ کیا کہ ان خواہشات کے پیدا ہوتے ہی اُس نے اپنے رب سے معافی مانگ لی اور درخواست کی کہ اسکو آسمان پر بلا لیا جائے چنانچہ خدا نے اسے معاف کر دیا اور آسمان پر اُٹھا لیا، لیکن وہ چالیس سال تک سجدہ میں پڑا رہا اور شرم کے مارے گردن نہ اُٹھائی۔

باقی دونوں فرشتے بدستور زمین پر رہے لیکن صورت یہ تھی کہ تمام دن تو وہ انسانوں کے باہمی نزاعوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے اور شام کو اسم اعظم پڑھکر آسمان پر چلے جاتے تھے۔

قتادہ کا بیان ہے کہ جب ایک مہینہ اسی حال میں گزر گیا تو ایک دن زہرہ جو نہایت ہی جمیل عورت تھی اُن کے پاس ایک مقدمہ لائی (ایک راوی حدیث کا قول ہے کہ یہ عورت فارس سے وابستہ تھی اور اپنے ملک کی ملکہ تھی) اس کو دیکھ کر دونوں فرشتے بدحواس ہو گئے اور سوال وصل کر بیٹھے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ جب دوسرے دن وہ پھر آئی تو ان فرشتوں نے پھر اپنی التجا پیش کی اس نے جواب دیا کہ "جب تک تم میرے بت کی پوجا نہ کرو اور

کسی کو قتل کرکے شراب نہ پیو، تمھاری خواہش پوری ہونا محال ہے۔" انھوں نے انکار کر دیا اور وہ پھر چلی گئی۔ تیسرے دن جب وہ آئی تو اپنے ساتھ جام شراب بھی لائی۔ فرشتوں نے پھر وہی خواہش پیش کی اور آخر کار یہ فرشتے اس بات پر راضی ہو گئے کہ شراب پی لیں گے کیونکہ تینوں شرطوں میں سب سے زیادہ آسان شرط یہی تھی ــــ جب شراب پی کر وہ بدمست ہوئے تو عین حالت اختلاط میں کسی آدمی نے ان کو دیکھ لیا، اُنھوں نے اس کو قتل کر ڈالا ــــ کلبی بن انس کی روایت ہے کہ انھوں نے بت کی بھی پوجا کی ــــ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زہرہ کو ایک ستارہ بنا دیا ــــ اس کے ستارہ بنائے جانے کی تفصیل بروایت کلبی وعلی وسعدی یہ ہے کہ "اس عورت نے کہا کہ تم مجھے اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک وہ بات نہ بتاؤ جس کے ذریعہ سے تم آسمان پر چڑھ جاتے ہو۔ آخر کار فرشتوں نے اسم اعظم اس کو بتا دیا اور وہ اسم اعظم پڑھ کر آسمان تک پہونچ گئی اور اللہ تعالیٰ نے اُسے ایک ستارہ بنا دیا ــــــ"

مجھے اس وقت مذہبی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ پر کوئی گفتگو نہیں کرنا ہے اس کو مولویوں کی جماعت جانے اور اُن کا اسلام مجھے صرف یہ دیکھنا ہے کہ یہ داستان جو ہاروت وماروت اور زہرہ کے متعلق اسلامی لٹریچر، اسلامی احادیث وتفاسیر میں پائی جاتی ہے یہ کوئی نئی بات تھی جو بتائی گئی یا اُس سے قبل بھی کسی اور قوم یا مذہب میں پائی جاتی تھی۔

اس جستجو میں جب ہم مسیحی اور یہودی کتابوں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس داستان کے بعض ٹکڑے مسیحی کتابوں میں بھی ہیں اور یہودیوں کے یہاں تو تقریباً یہی قصہ جوں کا توں موجود ہے چنانچہ ہم یہودیوں کے صحیفۂ مقدس مدراشِ یلقوت باب ۴۴ سے اس کو ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

"ربی یوسف کے شاگردوں نے اس سے دریافت کیا کہ عزائیل کیا ہے (عزائیل اور عزرائیل میں فرق صرف ایک ر کا ہے) اُس نے جواب دیا کہ جب نوح کی قوم بت پرستی کرنے لگی تو خدائے قدوس کے حضور میں دو فرشتے شمحازائی اور عزائیل آئے اور عرض کیا کہ "اے رب العالمین انسان میں کیا بات ہے جو تو اس کی اتنی رعایت کرتا ہے" خدا نے فرمایا کہ "اگر تم کو دنیا پر غلبہ دیا جائے تو خواہشات نفسانی میں تم انسان سے زیادہ مبتلا ہو جاؤ"۔ یہ سنکر فرشتوں نے کہا کہ ان سے کبھی سرکشی ممکن نہیں۔ تو خدا نے فرمایا کہ "اچھا جاؤ اور اُن کے ساتھ رہو"۔ دنیا میں آکر فرشتے شمحازائی نے ایک نوجوان دوشیزہ کو دیکھا جس کا نام اسطہر ([illegible]) تھا[1]۔ فرشتے نے اس لڑکی پر اپنی آنکھیں جمائیں اور بولا کہ "مجھ سے التفات کی باتیں کر" اس نے کہا کہ تیری

---

[1] قزوینی نے اس کا نام زہرہ، اناہید اور بی دخت بتایا ہے۔ آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ اسطہر، یا استارو اشتار دراصل زہرہ ستارہ ہی کے مختلف نام ہیں۔

باتیں میں نہ سنونگی جب تک مجھے خدا کا وہ عجیب نام نہ بتا دے جس کو پڑھکر تو آسمان پر چلا جاتا ہے"۔ تب فرشتے نے وہ نام بتادیا اور وہ لڑکی آسمان پر چڑھ گئی - خدا نے حکم دیا کہ "اسے ہفت کواکب میں شامل کردو"۔

اس کے بعد ان فرشتوں نے دو بیویاں کریں اور دو لڑکے حِوّا اور حیّا پیدا ہوئے - عزائیل کے پاس بہت سا زیور اور اسباب آرائش موجود تھا جن کی وجہ سے مرد عورتوں کی طرف مائل ہو کر گمراہ ہو جاتے ہیں[1]"

یہودیوں کی اس روایت کو پڑھکر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اسلامی روایت و یہودی روایت میں کتنا فرق ہے - لیکن اسی کے ساتھ یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے کہ یہودیوں میں یہ رُوایت کیونکر آئی - آیا یہ کوئی صحیح واقعہ تھا جو الہام ربانی کے ذریعہ سے معلوم ہوا تھا یا کیا ؟ - اسی سلسلہ میں یہ امر بھی قابل تحقیق ہے کہ ہاروت و ماروت کہاں سے آئے اور اس عورت کا نام زہرہ کیونکر معلوم ہوا -

اسلامی لٹریچر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فرشتوں کے نام ہاروت و ماروت ارتکاب معصیت کے بعد رکھے گئے تھے - ورنہ اس سے قبل ان کے نام عزا اور عزایا تھے - مدراش یلقوت میں ان کے نام شمحازای اور عزائیل بتائے گئے ہیں - رہا یہ امر کہ ان عربی و یہودی ناموں میں کوئی مناسبت ہے یا نہیں - زیادہ قابل لحاظ نہیں کیونکہ کلام پاک میں یہ نام کسی جگہ درج نہیں ہیں - البتہ ہاروت و ماروت کے متعلق تحقیق ضروری ہے کہ ان کی اصلیت کیا ہے - بعض محققین زبان عربی کی رائے ہے کہ یہ دونوں لفظ ہرت و مرت سے نکلے ہیں جن کے معنی عربی زبان میں پھاڑنے اور توڑنے کے ہیں - لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان دونوں ناموں کا پتہ اور قوموں کے لٹریچر میں بھی چلتا ہے - چنانچہ ڈاکٹر ٹسٹڈل کی تحقیق ہے کہ یہ دونوں نام قدیم ارمن بتوں کے ہیں جن کی تیسری چوتھی صدی میں پرستش کی جاتی تھی اور جن کا نام ارمنی زبان میں ہوروت اور موروت تھا - ڈاکٹر موصوف نے ایک ارمن مصنف کا بیان درج کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں دیوتا معاون مانے جاتے تھے ایک اور دیوی کے جس کا نام اسپندرامیت تھا اور ان دیوتاؤں کی خدمت یہ تھی کہ زمین کی پیداوار میں اضافہ کریں -

لیکن اس تحقیق کو اور آگے بڑھائیے تو معلوم ہوگا کہ آرمینیا میں یہ خیال یقیناً قدیم ایرانیوں سے آیا کیونکہ اوستا میں بھی ایک دیوی سپنتا آرمئی کا وجود پایا جاتا ہے - (جو آرمینیوں کی اسپندرامیت ہے) اور اُس کے بھی دو معاون دیوتا ہورداوات اور امرتات تھے جن کے معنے علی الترتیب کثرت و افراط اور قیام و بقا کے ہیں[2]
(واضح ہو کہ یہی دونوں لفظ بعد کو خورداد و مُرداد ہو گئے جن پر تیسرے اور پانچویں عجمی مہینوں کے نام رکھے گئے)

---

[1] اس اخیر کے فقرہ پر ہم آئندہ بحث کر کے بتائیں گے کہ اسلامی روایت میں اس سے کیا کام لیا گیا

[2] ارمنی دیوتاؤں (ہوروت و موروت) کی خدمت اضافہ پیداوار سے کس قدر قریب کا تعلق رکھتے ہیں -

اب جس وقت ہم اوستا کے ان ناموں پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اصل آریہ زبان ہے اور سنسکرت میں اُن کی اصل صورت سروتات (Sarvatata) اور مرتات (Amertata) پائی جاتی ہے۔ پہلا نام رگ وید میں بصورت سروتاتی (Sarvatati) آیا ہے اور آریہ روایتوں میں بھی یہ دیوتا زمین کو زرخیزی بخشنے والے ظاہر کئے جاتے ہیں۔

اب زہرہ کے متعلق تحقیق کیجئے کہ اس کا نام کہاں سے آیا تو معلوم ہوگا کہ یہودی روایت میں اس لڑکی کا نام استھر (Esther or Estehar) بتایا گیا ہے جو دراصل قدیم اہل بابل کی دیوی اشتار (Ishtar) تھی اور جس کی پرستش شام و فلسطین میں اشتوریث (Ashtoreth) کے نام سے ہوتی تھی۔ یہ عشق و محبت کی دیوی جس کا نام یونانیوں میں آفرودایت (Aphrodite) اور رومیوں میں وینس (Venus) تھا۔ پھر چونکہ اسی دیوی کو سیارہ وینس (Venus) بھی بتایا جاتا تھا جسے اہل عرب زہرہ کہتے ہیں، اس لئے بہ آسانی خیال میں آسکتا ہے کہ عربی روایتوں میں فرشتوں کی بہکانے والی لڑکی کا نام زہرہ کس وجہ سے رکھا گیا۔ کیونکہ جس طرح زہرہ کا آسمان پر چلا جانا بیان کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح بابلی و آشوری روایات قدیمہ میں اشتار دیوی کی متعلق ظاہر کیا جاتا ہے۔

اہل بابل کی قدیم روایت ہے کہ اشتار (یعنی وہی دیوی جسے رومیوں میں وینس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جسے اہل عرب زہرہ کہتے ہیں) ایک مرتبہ کسی بہادر شخص گلگامیش پر فریفتہ ہوگئی لیکن جب وہ کسی طرح مایل نہ ہوا تو ناراض ہوکر آسمان پر چلی گئی اور خداوند انو کے حضور میں حاضر ہوگئی۔

اسی قسم کا ایک قصہ مہابھارت میں بھی پایا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں دو بھائی سندا اور پسندا تھے جو بہت بڑے مرتاض تھے۔ برہما نے اُن کی آزمائش کے لئے ایک حسین لڑکی پیدا کی جس کا نام تلوتما تھا۔ دونوں بھائی اس کو دیکھکر فریفتہ ہوگئے اور جوش رقابت میں باہم لڑکر فنا ہوگئے۔ اس کے بعد تلوتما برہما کے پاس واپس چلی گئی اور برہما نے اس کو برکت دی کہ "تمام دنیا میں تو گردش کرتی رہیگی اور کوئی شخص تیرے حسن و جمال کی درخشانی کو نظر جماکر نہ دیکھ سکے گا"۔ سنسکرت کی اس روایت سے بھی اس عورت کا سیارہ ہوجانا یا کسی سیارہ کو عورت سے تعبیر کرنا ظاہر ہوتا ہے۔

الغرض ان تمام بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ صرف عیسوی و یہودی بلکہ قدیم بابلی و آشوری، ایرانی و ہندی، یونانی و رومی لٹریچر میں ایسی روایات موجود تھیں جن سے فرشتوں کا آسمان سے اتر کر ایک عورت کی محبت میں آلودہ ہوجانا مستنبط ہوسکتا تھا اور غالباً عہد نبوی سے قبل یہودیوں میں یہ داستان رائج تھی جسے مسلمان مفسرین

اور رواۃ احادیث نے ہاروت وماروت والی آیت سے متعلق کرکے اسی شان کے ساتھ بیان کردیا، درآنحالیکہ خود کلام مجید میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اسم اعظم کا خیال کہاں سے پیدا ہوا، سو اس کا ماخذ بھی یہودی روایت ہے کیونکہ اُن کے یہاں یہ اعتقاد پایا جاتا تھا کہ جو شخص خدا کا اسم اعظم (Tetragrammaton) جانتا ہے وہ بڑے بڑے کام انجام دے سکتا ہے۔ چنانچہ یسوع مسیح کے متعلق بھی بعض یہودی مصنفین نے لکھا ہے کہ وہ خدا کا یہی نام لیکر معجزے دکھایا کرتے تھے۔

قرآن شریف میں ہاروت ماروت والی آیتوں کے سلسلہ میں ایک آیت یہ بھی ہے کہ:۔ فیتعلمون منہما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ (یعنی لوگ ہاروت وماروت سے ایسی بات سیکھ لیتے تھے جس سے میاں بیوی میں باہم جدائی پیدا کردیتے تھے)۔۔۔

اس کے متعلق مخالفین اسلام کا خیال ہے کہ یہ صحیفۂ ادریس سے لیا گیا ہے جس میں باغی فرشتوں کا ذکر کرتے ہوئے قصہ کا سلسلہ اس طرح جاری رکھا گیا ہے کہ:۔

"انھوں نے اپنے لئے بیویاں پسند کریں اور اُنھوں نے ان عورتوں کو سحر بتایا اور جنتر منتر وغیرہ سکھایا علاوہ اس کے زیور اور اسباب زیبائش وآرائش طیار کرنا بھی بتایا"

اب اس سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر سے دو باتیں غور طلب ہیں ایک یہ کہ قرآن پاک کی ان آیتوں میں جو ہاروت ماروت کا ذکر ہے آیا اس کی حقیقت وہی ہے جو عام مفسرین نے بیان کی ہے (اور جس کا خلاصہ ابتدا مضمون میں دیدیا گیا ہے) یا کچھ اور۔ دوسرے یہ کہ اگر تفسیروں کے اس بیان کو درست سمجھ لیا جائے تو پھر علماء اسلام کیا جواب دیں گے ان تمام اعتراضات کا جو تحقیق سابق کے سلسلہ میں وارد ہوتے ہیں اور اگر کوئی اور مفہوم ہے تو اس کا متعین کرنا ضروری ہے۔ میں نے کلام مجید کا جو مدعا ان آیتوں سے سمجھا ہے اس کے اظہار کو میں فی الحال ملتوی رکھتا ہوں نہ صرف اس لئے کہ میں اس کے بیان پر مکلف نہیں ہوں بلکہ اس بنا پر بھی کہ میں غالباً (علماء کرام کے نقطۂ نظر سے) کافر وملحد ہوکر اس کا اہل نہیں ہو سکتا۔

بہرحال میں سب سے پہلے علماء کرام سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اُنھوں نے ان آیات کی شان نزول کیا قرار دی ہے، ان کے نزدیک ان آیات کا کیا مفہوم ومدعا ہے، ہاروت ماروت کے باب میں ان کی کیا تحقیق ہے، زہرہ واسم اعظم کے باب میں وہ کیا فرماتے ہیں اور پھر اگر ضرورت ہوئی تو بتاؤں گا کہ میں کیا سمجھتا ہوں اور کس مفہوم پر مطمئن ہو سکتا ہوں۔

جذبات بھاشا ۱۲ر لالہ رخ ۸ر فراست التحریر مکمل ۸ر خواب وخیال ۸ر زہر عشق ۶ر "منیجر نگار لکھنؤ"

کیا عیسیٰؑ ہندوستان کی تامیل قوم سے تھے؟

"یہودیوں کا اصل وطن ہندوستان ہے"۔ یہ وہ خبر تھی جو ایک یہودی عالم نے ارسطو کو دی تھی، لیکن چونکہ عیسائی ماہرین الہیات اس حقیقت کو نظر انداز کر چکے ہیں، اس لئے وہ انجیل مقدس کو متعدد مبہم و مشتبہ واقعات سے لبریز پاتے ہیں جن کی توضیح ان کے امکان سے باہر ہے۔ چنانچہ ذیل میں ہم صرف دو واقعات بیان کر کے اس کی وضاحت کریں گے۔

(۱) متی باب ۱۴ آیت ۹ اور مرقس باب ۶ آیت ۲۶ میں ہیرود آنتی پاس کو (جو ایک ٹیٹرارک تھا اور جو عیسیٰ کے مقدمے میں رومی گورنر پیلاطس کے حکم سے منصف مقرر ہوا تھا) بادشاہ کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے، درانحالیکہ رومی حکومت میں ایک صوبے کے صرف چوتھائی حصے کے حاکم کو ٹیٹرارک کہتے تھے اور یہ حاکم صوبے کے گورنر کا ماتحت ہوتا تھا۔ اس لئے یہ امر غور طلب ہے کہ انجیل میں ایک ماتحت افسر کو کیوں بادشاہ کے لقب سے یاد کیا گیا جبکہ وہ بادشاہ نہ تھا۔

(۲) عہد آخر کے مغربی مصنفین نے ہیرود آنتی پاس کے باپ ہیرود اعظم کو (جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے ولادت مسیح پر معصوم بچوں کا بالکل اس طرح قتل عام کیا تھا، جس طرح کامسا نے کرشن جی کی پیدائش پر) کیوں اعظم کا خطاب دے رکھا ہے جبکہ کوئی ایسی شہادت بھی موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ اعظم جیسے خطاب کا اہل تھا؟ ایسی بین غلطی کیوں کی گئی اور کیوں کی جا رہی ہے؟

اب ہم دیکھیں گے کہ علماء مغرب ان دو معموں کو واضح کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔
انسائیکلوپیڈیا ببلیکا بائبل میں جو نینڈال بارنس کی ادارت میں شائع ہوئی ہے صفحہ ۴۷۳ پر مرقوم ہے کہ باوجود ان تمام ایضاحی کوششوں کے جو آلفورڈ، وھیڈن وغیرہ نے کی ہیں ناقدین اب تک سمجھنے سے قاصر ہیں کہ انجیل کیوں متواتر ہیرود آنتی پاس کو بادشاہ کہتی ہے جبکہ وہ یقیناً بادشاہ نہ تھا بلکہ رومی گورنمنٹ کا ایک معمولی افسر ٹیٹرارک تھا۔

سوال دوم کے متعلق ایوالڈ کا خیال ہے کہ ہیرود کے ساتھ اعظم کی نسبت غالباً اس کے سکوں کو دیکھ کر دی گئی ہوگی لیکن مسٹر ماڈن اپنی کتاب دی جوئش کوائنیج میں لکھتے ہیں کہ اب تک کہیں ایسے سکہ کا نشان نہیں ملا جس پر اس بادشاہ کے نام کے ساتھ لفظ اعظم بھی پایا جاتا ہو۔ ماڈن اور مورخین کی رائے یہ ہے کہ

ہیرو ڈ کو اعظم کا خطاب اس لئے دیا گیا کہ وہ ہیرو ڈ خاندان کے دیگر اراکین صغار میں ممیز نظر آئے لیکن ایسے محل پر لفظ اکبر (ELDER) استعمال کیا جاتا ہے نہ کہ اعظم (GREAT) اسلئے یہ رائے بھی درست نہیں معلوم ہوتی۔

یوروپین مصنفین ان معموں کو حل کرنے سے اس لئے قاصر ہیں کہ وہ اس سرزمین کی جانب متوجہ ہوتے ہی نہیں جس کی نسبت ارسطو کے مخبر نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ قوم یہود کا وطن اصلی ہے۔ اب اس خبر کی مدد سے (جو ارسطو کے شاگرد رشید کلیارکس آف سولی اور مشہور و معروف یہودی مورخ جوزفس کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہے) ۱۹۲۳ء میں مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ فلسطین درحقیقت جنوبی ہند کی ایک نوآبادی تھی اور نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی کہ زبان عبرانی دراصل قدیم تامیلی زبان تھی اور آرامی جو عیسےٰ کی مادری زبان تھی اور بعد میں آراوام کہلانے لگی حقیقت میں جدید تامیلی زبان تھی۔ کیمبرج ہسٹری آف اینشنٹ انڈیا کی جلد اول میں صفحہ ۵۹۲ پر پروفیسر بنٹ تحریر فرماتے ہیں کہ باعتبار روایات قدیمہ چونکہ گجرات کسی وقت ڈراویڈین قوم ہی کا مسکن تھا اس لئے جنوبی ہند اور فلسطین کے دو مستند شہروں کا ایک ہی نام یعنی سالم سے موسوم ہونا اور گجرات کی ایک ریاست اور مغربی ایشیا کے ایک ملک کا جس میں قوم یہود اپنے وطن سے ہجرت کرکے آباد ہوئی تھی ایک ہی نام بالیٹا یا پالسٹانا ہونا جو تامیلی اور سنسکرت شکلیں ہیں پالسٹائن (یا فلسطین) کی محض اتفاق پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ یہ بات مسلم ہے کہ کسی نوآبادی کے حالات سے کامل طور پر واقف ہونا محال ہے جب تک اس کے وطن اصلی کا بغور مطالعہ نہ کیا جائے اور اسی اصول کے ماتحت اگر فلسطین کے متعلق تحقیق کی جائے تو انجیل کے بہت سے معمے حل ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ اسی اصول کو مدنظر رکھکر اب ہم بتائیں گے کہ انجیل میں ہیرو ڈ آنٹی پاس کو بادشاہ کیوں کہا گیا ہے جبکہ وہ محض ایک ٹیٹرارک تھا۔ اگر ہم توریت مقدس کی تفاسیر سے مدد لیں تو معلوم ہوگا کہ ایزاکیل نے جلد ۳۸ صفحہ ۲ و ۳ پر اور جلد ۳۹ صفحہ ۱ پر ہیرو ڈ آنٹی پاس کا خطاب دیا ہے جس کے معنے انگریزی مترجمین بائبل نے شہزادہ خاص کئے ہیں اور چونکہ عبرانی اور آرامی، تامیلی زبان کی مختلف شکلیں تھیں اس لئے لفظ روس کا تامیلی لفظ راسا بمعنی بادشاہ ہونا بھی واضح ہوگیا۔ نیز توریت مقدس میں اس لفظ کے استعمال سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ لفظ اس وقت عام طور پر رائج تھا کیونکہ کتب سماوی عوام و خواص دونوں کی ہدایت کے لئے نازل کی جاتی ہیں اور اگر ان میں ایسے الفاظ مستعمل ہوں جو عوام کی سمجھ سے بالاتر ہوں تو مقصد نزول ہی فوت ہو جائے۔ اب ذرا اپنی توجہ جنوبی ہند کی جانب منعطف فرما کر ملاحظہ کریں کہ اب بھی جبکہ یہاں انگریزی راج قائم ہے لوگ احتراماً والیان ریاست کو راسا کہکر خطاب کرتے ہیں حالانکہ وہ صحیح معنوں میں

بادشاہ کہلانے کے ہرگز مستحق نہیں۔ بالکل اسی طرح اگر فلسطین یعنی جنوبی ہند کی ایک نوآبادی میں ہیروڈ آنٹی پاس کے زیر اقتدار لوگ اپنے وطن اصلی کے رواج کے مطابق اسے راآسا (روس بمعنی بادشاہ) کہکر خطاب کرتے ہوں تو جائے تعجب نہیں یونانی مترجمین بائبل نے جب آرامی زبان کی انجیل میں ہیروڈ آنٹی پاس کے نام کے ساتھ روس کا خطاب دیکھا تو انھوں نے یونانی تراجم متی و مرقس میں اُسے بادشاہ ہیروڈ آنٹی پاس لکھدیا اور ان کی پیروی دیگر یوروپین مصنفین نے بھی اپنے اپنے ترجموں میں کی۔

مذکورۂ بالا اصول ہی کے ماتحت ہم یہ بھی بتائیں گے کہ مغربی مصنفین نے ہیروڈ آنٹی پاس کے باپ ہیروڈ اعظم کو کیوں اعظم کا خطاب دیا جبکہ ایسا کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی وجہ موجود نہ تھی۔ تامیلی زبان میں راآسا بمعنی بادشاہ اور مہاراسا بمعنی بڑا بادشاہ آج کل عام طور پر بولے جاتے ہیں لیکن اسی زبان کی لغات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو ایسا بھی کہتے ہیں اور مہیسا یا مہاایسا کے معنے مہاراسا کی طرح بڑے بادشاہ کے ہیں۔ اصل میں یہ لفظ سنسکرت ہے اور تامیل زبان میں اس کا تلفظ مگیسا ہوتا ہے۔ آج بھی عام طور پر لوگ شیو کو مہیسا کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ کائنات کا سب سے بڑا بادشاہ مانا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ لفظ بھی عہد قدیم میں زبان زد عام تھا۔ اور جس طرح لوگ ہیروڈ آنٹی پاس کو تعظیماً راآسا کہتے تھے اسی طرح ہیروڈ اعظم کو تعظیماً یا تملقاً مگیسا کہتے تھے۔ اور جسطرح راآسا روس بنگیا اسی طرح مگیسا مگاس ہو گیا۔ چنانچہ جوزفس نے اپنی تاریخ میں ہیروڈ اعظم کو میگاس ہی کا خطاب دیا ہے اور جس طرح ہیروڈ آنٹی پاس یونانی مترجمین کی وساطت سے مغربی مصنفین میں بادشاہ مشہور ہو گیا۔ اسی طرح اس کا باپ ہیروڈ میگاس (اعظم) کہلانے لگا۔

اراٹا تامیلی لفظ ہے اور اس کے معنے بادشاہ کے ہیں اور بقول مشہور مستشرق مسٹر برنل یہی لفظ اب ریڈی کی صورت میں جنوبی ہند کی طرف رائج ہے۔ گو انگریزی حکومت کے دفتر میں اس لفظ سے گاؤں کا پٹیل مراد لیا جاتا ہے لیکن اس لفظ کے اصلی معنے بادشاہ ہیں اور اگلے وقتوں میں یہ لفظ اسی معنے میں استعمال ہوتا تھا چنانچہ اب بھی جو لوگ اپنے نام کے ساتھ لفظ ریڈی لگاتے ہیں وہ عام طور پر قدیم حاکم قبیلوں کے پس ماندگان تسلیم کئے جاتے ہیں۔ جب تامیلی زبان نے فلسطین میں آرامی زبان کا بھیس بدلا تو لفظ اراٹا ہیروڈ کی شکل میں نمودار ہوا اس وضاحت کے بعد قارئین کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ ہیروڈ خاندان کا مطلب اراٹا خاندان یعنی شاہی خاندان ہوتا ہے۔ اگرچہ آنٹی پاٹر ایک معمولی افسر تھا لیکن جب اس کے بیٹے ہیروڈ اعظم نے خاندان کے نام کو خوب چمکایا اور اسے قابل قدر اہمیت بخشی اور اس کی سوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ جگایا تو اُس کے اراکین افتخاراً اپنے لئے (ہیروڈ یا اراٹا یا ریڈی) کا خطاب استعمال کرنے لگے۔

فلسطین چونکہ جنوبی ہندوستان کی نوآبادی تھی اس لئے وہاں لوگوں کے نام بھی عام طور پر ہندوستانی ہی ہوا کرتے تھے لیکن جب سکندر اعظم کی قیادت میں یونانی اس ملک پر قابض ہوگئے اور اپنی حکومت قائم کرلی تو جیسا کہ عموماً محکوم قومیں کرتی ہیں فلسطینیوں نے بھی اپنے حاکموں کا تمدن اختیار کرنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ سوا تین سو سال بعد یعنی ولادت علیٰ کے زمانے تک اکثر و بیشتر فلسطینوں نے اپنے ہندوستانی ناموں کو توڑ مروڑ کر یونانی ناموں یا کم سے کم یونانی الفاظ کے مشابہ بنالیا تھا اور اس میں یونانی بھی معاون ہوگئے کیونکہ انھیں اپنے محکوموں کے غیر مانوس ناموں کو یاد اور استعمال کرنے سے الجھن ہوتی تھی۔ الغرض اگر ان ناموں سے زمانے اور حوادث کے تغیرات و اثرات کو نظر انداز کردیا جائے تو ثابت ہوگا کہ یہ الفاظ دراصل ہندوستانی ہیں۔ مثلاً تلاش و جستجو کے بعد جب ہم کو متعدد روایتیں ایسی ملیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنٹی پاٹر کا باپ کسی معبد سے متعلق تھا تو ہم پر فوراً واضح ہوگیا کہ آنٹی پاٹر اور آنٹی پاس دراصل تامیلی آنڈی پاٹر اور آنڈی پا ہیں۔ اور ہیرو ڈ آنٹی پاس اور ہیرو ڈ میگاس حقیقت میں ارا ٹا انڈیا اور ارا ٹا نگیسا ہیں ....

.... بہر حال، اگر یوروپین علما بھی بائبل کو اسی روشنی میں دیکھیں جس کے لئے ہم یقیناً ارسطو کے مخبر یہودی عالم کے زیر بار احسان ہیں تو انجیل کی بہت سی گتھیاں سلجھ سکتی ہیں۔

(کرانکل - سنڈے ایڈیشن)   حاجی دادا جدہ والا (بمبئی)

چند گھنٹے فلاسفۂ قدیم کی روحوں کے ساتھ

اگر آپ چاہتے ہیں کہ دنیا کے امن و سکون کا راستہ معلوم کریں تو اس کو ملاحظہ فرمائیے

مادئین کا مذہب

وجود باری کے ثبوت میں بے مثل مضمون

حرکت کے کرشمے

اگر آپ قدرت کے کرشموں کی تفصیل دیکھنا چاہتے ہیں تو اسے ملاحظہ فرمائیں تینوں ایک ہی جلد میں قیمت معہ محصول عہ۔

منیجر نگار

تقابلِ حسن

چھڑ رہا تھا سازِ فطرت، زمزمے تھے بیقرار بلبلِ نغمہ سرا تھی، مایۂ حسنِ بہار
پھول کی ہر پنکھڑی سے ہو رہا تھا آشکار ہوشیار اے اہلِ بینش اہلِ عبرت ہوشیار
پتی پتی میں نہاں ہے اضطرابِ آرزو
ذرے ذرے میں درخشاں آفتابِ آرزو

تھا یہی منظر یہی عالم بہار صبح کا ناگہاں اتنے میں آئی سامنے اک دلربا
شعلہ رو، غنچہ دہن سیمیں بدن نازک ادا جلوۂ فطرت سمجھئے یا کوئی برقِ بلا
حسنِ مغرب تھا عبارت جس سے وہ تشکیل تھی
اختراعِ فائقہ تھی، جدتِ تکمیل تھی!

بید لرزاں کی نزاکت زلفِ برہم سے عیاں تھی صباحت کہکشاں کی فرقِ انور میں نہاں
موجِ صہبا کی لطافت چشمِ دلبر سے چکاں عارضِ گلرنگ پر کچھ کچھ تبسم کا نشاں
آنکھ کی پتلی تھی یا وہ داغ جو لالے میں ہو
یا کہ "ماہِ نیم مہ" جو جلوہ گر ہالے میں ہو

عارض شاداب وہ جبیں رواں رنگِ چمن دانت وہ جن پر فدا تا بانیِ درِ عدن
جنبش اسکے لب میں یوں ہوتی تھی ہنگامِ سخن جس طرح لرزاں نسیمِ صبح سے برگِ سمن
وہ درخشانی تھی اس کی گردنِ پُر نور میں
بجلیاں جیسے بھری ہوں ساغرِ بلور میں

اس کے سینے سے عیاں تھا اس طرح جوشِ شباب جس طرح مینا میں اُن بھر دے کوئی رنگِ شباب
ساعدِ سیمیں سے شرما جائے حسنِ ماہتاب پنجۂ رنگیں کے ٹپکاتی تھی وہ ہردم شراب
صد گلستاں در کنار و صد تبسم در نظر
با لب خاموش کیف صد تکلم در نظر!

آخر کار آئی میرے پاس بھی وہ فتنہ گر   اور بے خوف و خطر پہلو میں میرے بیٹھکر
گویا مجھ سے اور خود اپنے سے بھی ہو بے خبر   اس ادا سے اس نے پھیری ڈالکر مجھ پر نظر

بھینی بھینی، ہلکی ہلکی نکہتیں آنے لگیں
مغربی پھولوں کی روحیں دل کو تڑپانے لگیں!

قرب حسنِ بے محابا، باعث صد جوش تھا   کچھ زباں سے کہہ نہ سکتا تھا مگر خاموش تھا
ساقیِ رنگیں ادا گو میکدہ بر دوش تھا   میں مگر احساس ہی سے بے پیے بیہوش تھا!

گفتگوئے شوق کیسی لب تو ہل سکتے نہ تھے
اور کبھی ہلتے بھی تو پھر کھل کے مل سکتے نہ تھے

میں اسی حیرت میں تھا اتنے میں آئی اک صدا   یعنی پیچھے کوئی پنگھٹ پر ہوا نغمہ سرا
مڑ کے دیکھا تو کھڑی تھی دوسری اک مہ لقا   بھر رہی تھی اپنی گاگر بے تصنع، بے ریا!

بال بھی سر کے کھلے آنچل بھی کچھ ڈھلکا ہوا
یعنی بھیگی رات تھی اور جام تھا چھلکا ہوا

اس قدر معصوم ایسی اپنی دامن سے بے خبر   جیسے کچھ ہوتا نہ ہو اس پر نگاہوں کا اثر
بھر کے گاگر جب اٹھایا یوں ہوئی دُہری کمر   جس طرح بل کھا کے جھک جائے کوئی شاخ شجر

بھیگنے کے خوف سے ساری اُٹھائے ہاتھ میں
چھوٹنے کے خوف سے آنچل دبائے گات میں

چشمۂ سیمیں سے باہر آ گئی وہ خوش ادا   ہر قدم کی لغزشیں کرنے لگیں آفت بپا
پھر لگی اس طرح اس کو چھیڑنے موج صبا   چھٹ گیا آنچل کبھی تو کھل گئی زلف دوتا!

غیرت دوشیزگی نے اُس کو حیراں کر دیا
جانے کیا احساس تھا جس نے پشیماں کر دیا

بن گئیں اس کی نگاہیں مرکز صد اضطراب   دفعتہً پھر جلوۂ رُخ آ گیا زیر نقاب
چال کی شوخی میں بھی پیدا ہوا اک انقلاب   یعنی کچھ سنجیدگی بھی اس میں تھی اور کچھ تھا عتاب

جھک گئیں میری نگاہیں اس کو حیراں دیکھ کر
دل کی الجھن بڑھ گئی اُس کو پریشاں دیکھ کر

ہمنشیں مغربی نے ہنس کے مجھ سے یہ کہا   بات بے موقع ہے لیکن اسکو بھی سن لو ذرا

بزدلی ہے اصل میں وہ جس کو کہتے ہیں حیا   شرم کہتے ہیں جسے وہ فی الحقیقت ہے ریا!

شرم آجائے نظر سے یہ بھی کیا غیرت ہوئی
آنکھ بھی اوپر نہ اُٹھے یہ بھی کیا عصمت ہوئی!

طعن کی باتیں سنیں تو آگیا مجھکو بھی جوش   سخت لہجے میں کہا میں نے کہ اے جلوہ فروش!
اے فروغ سحر باطل اے عدوِ عقل و ہوش   سن لے اے تو وہ کہ تیری زندگی ہے ناؤ نوش

جو نہیں ہے پیکرِ عصمت وہ عورت ہی نہیں
اور جو عورت نہیں وہ گھر کی زینت ہی نہیں

حافظ غازیپوری

کاجل - سرمہ - چورن - منجن

اڈیٹر صاحب نگار نے خود ان دواؤں کا اطمینان کرکے اپنی رائے ان کے مفید ہونے پر اکتوبر کے ملاحظات میں ظاہر کی ہے۔ دوسری تازہ سند ملاحظہ ہو۔ سرمہ ضعف بصارت وغیرہ کے لئے بہت مفید ہوا ایک شیشی اور بھیج دیجئے۔

کاجل - آشوب، سرخی، ضعف بصارت کے لئے ازبس مفید ہے ایک ڈبیہ جو ایک شخص کے لئے سال بھر کو کافی ہے۔ قیمت عہ

سرمہ - یہ بیش بہا سرمہ چالیس دن میں تیار ہوتا ہے اس میں نہ ممیرہ ہے نہ کوئی معمولی سرمہ ہے جن کو جڑی بوٹیوں کے عرق میں بھیگا کر طیار کیا جاتا ہے اس کے فوائد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جالا، دھوند، موتیا بند اور ضعف بصارت صرف ایک ماہ کے استعمال سے جاتا رہتا ہے اور بارہا آزمایا ہوا ہے قیمت فی پڑیہ عہ رعلاوہ محصول۔

چورن - یہ وہ اکسیری چیز ہے جس کا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے۔ پیٹ کا درد، قبض، نفخ، ریاح کا پیدا ہونا، سوء ہضم، دستوں کا آنا سب یک لخت اس کے استعمال سے جاتا رہتا ہے۔ کیسا ہی شدید درد پیٹ میں ہو ایک چٹکی کھا لینے سے جاتا رہتا ہے۔ قیمت فی ڈبہ آٹھ تولہ عہ رعلاوہ محصول۔

منجن - اس کی ادنیٰ خوبی یہ ہے کہ ہلتے ہوئے دانت جم جاتے ہیں۔ قیمت فی ڈبہ آٹھ تولہ عہ رعلاوہ محصول

نوٹ: - سب چیز منگانے والے کو محصول ڈاک معاف

پتہ: - م بیگم ذریعہ رسالہ نگار لکھنؤ

رباعیات طالب

اے عقدہ کشائے ساز و بازِ من و تو
آتا ہی نہیں سمجھ میں رازِ من و تو
تو مجھ سا نہ بن مجھے بنائے خود سا
آخر کب تک؟ یہ امتیازِ من و تو!

مدہوشِ خیال کس طرف بہکا ہے؟
دنیا کو پسِ نقاب کیا سمجھا ہے؟
تیری ہی نگاہ نور بکھیر دیتی ہے
ہر مہر فریب، ہر قمر دھوکا ہے!

ہر رنگِ فریب کو حقیقت سمجھا
ہر درد کو بیخودی میں راحت سمجھا!
اُف ہوش گنوا کے دل نے سمجھا بھی تو کیا
تقدیر کے کھیل کو "محبت" سمجھا!

ہو گی دُنیا "سرائے فانی" ہو گی
ہر چیز یہاں کی "آنی جانی" ہو گی
باتوں میں نہ کاٹ، رات ہی کتنی ہے!
یہ سوچ کہ کل کہاں "جوانی" ہو گی!

تقویمِ جہاں کے انقلابات — فریب!
تنظیمِ ازل یہ اہتمامات — فریب!
اپنے ہی کو دیکھ، اپنا ماحول نہ دیکھ
تو خود ہے فریب، تیری ہر بات فریب!

ہر لمحہ عذاب، عمرِ فانی کے لئے
ہر فعل گناہ نوجوانی کے لئے!
مطلق غم و درد سے عبارت ہے مگر
دنیا مرتی ہے زندگانی کے لئے!

طالب باغپتی

نعرۂ سرمدی

...ں دوست فسردہ بیٹھا ہے، چہرے پہ تبسم پیدا کر　　جو روح کو زندہ کردے وہ اندازِ تکلم پیدا کر

...کشمکشِ پیہم ہے حیاتِ انسانی خاموش نہ ہو　　جب تک نہ پلائے ساقیٔ دوراں جامِ اجل مدہوش نہ ہو

...یدسے روشن رکھ دل کو، امید شرار ہستی ہے　　امید کے دم سے ہی قائم اس دنیا کی ہر بستی ہے

...ید شکستہ سازوں سے نغموں کے سیل بہاتی ہے　　امید فسردہ روحوں میں تسکین کی شمع جلاتی ہے

...اب کی برقی خاصیت اجزائے زیست میں پنہاں ہے　　کیوں موت کا پیکر بنتا ہے، ناداں تو زیست کا طوفاں ہے

...بند تذبذب کا عالم، تا چند یہ مہلک خاموشی　　مٹ جائے نہ تیرے دل سے کہیں صہبائے عمل کی سرجوشی

معلوم نہیں کیا؟ موت اجل سے ڈرنے کا خمیازہ ہے

مردوں کا لہو ہی جو دہ عروس حیات کے رخ کا غازہ ہے

عدم

...) یہ بحر اس قدر نامعقول ہے کہ بڑے بڑے مشاق شعراء بعض اوقات بہک جاتے ہیں۔ اس لئے امید ہے کہ عدم صاحب اس قسم کی بحریں آئندہ بہت زیادہ احتیاط سے کام لیں گے۔ (نیاز)

جواب

تو میری اگر خوابیدہ روحوں کو جگاتی ہو
مرے نغموں کی لرزش گردوں میں ڈوب جاتی ہو

اگر درس تپش دیتے ہیں شعلے میری آہوں کے
اشارے گر حدیث درد ہیں میری نگاہوں کے

اگر میں غفلتوں میں چھیڑتا ہوں ساز بیداری
اگر میری صدا ہے مرہم زخم زیاں کاری

اگر لیتی ہے مجھ سے چشم انساں درس بینائی
اگر تصویر کو دیتا ہوں میں تعلیم گویائی

سمجھتا ہوں اگر میں نبض فطرت کی پرافشانی
مجھے بخشا گیا ہے گر کمال نطق انسانی

اگر میری زباں میں ہے روانی موج ساحل کی
مرے خامہ کی جنبش کھول دیتی ہے گرہ دل کی

مری خلوت کے ذرے مشعل انجم گر چمکتے ہیں
اگر اجزائے دانش میری صہبا میں جھلکتے ہیں

اگر میری نگاہیں آشنا ہیں حسن سرمد سے
سحر کو متصل کرتا ہوں گر میں شب کی سرحد سے

اگر دیتا ہوں میں درس حقیقت سطح بینوں کو
اگر میں آسمانوں سے ملاتا ہوں زمینوں کو

اگر صرصر مرے دشت بلا میں گنگناتی ہے
مرے گلشن میں گر سلمائے فطرت مسکراتی ہو

تو میری خستگی کو دیکھ کر اس پر نہ حیراں ہو!
کبھی اے کاش تو بھی محرم اسرار عرفاں ہو!

چمن کے خار کو غنچے سے بڑھ کر دل کشا کر دے
یہ ہے انعام فطرت جس کو وہ چاہے عطا کر دے

یہ مانا حسن ظاہر میں نہ حصہ مل سکا مجھکو
نہیں فطرت کی فیاضی سے لیکن کچھ گلا مجھکو

نہ پایا دخل اس میں شب فشاں اجزائے ظلمت نے
سنوارا ہے مرے باطن کو یوں صناع فطرت نے

ملا تاریکیوں میں دیدۂ حسن آشنا مجھکو
دیا قدرت نے دل ایسا کہ سب کچھ دیدیا مجھکو

مری دنیا میں ہے مفقود آئین ریاکاری
مبارک ہو تجھے ارباب دولت کی پرستاری

تجھے طوق غلامی چاہیے جسکو نہ جنبش ہو
مجھے وہ روح آزادی کہ تازہ آفرینش ہو

مری تسکین دل ہے روح کی پیہم پرافشانی
تجھے خوابیدہ رکھتی ہے غلط بیں تیری نادانی

جہاں ہوتا ہے تو بیم و رجا سے بندگی یکسر
شکن ہلکی سی بھی پڑتی نہیں واں تیرے ماتھے پر

نہ تو ہوگا نہ یہ عقل آزما بیچارگی تیری
سمجھتا ہے کہ شاید سرمدی ہے زندگی تیری

مگر مجھکو زمانہ محو کر سکتا نہیں ہرگز
فنا ہو کر بھی میں ناداں! مر سکتا نہیں ہرگز

علی اختر (حیدرآباد دکن)

میرا محبوب

مہ و خورشید جس کی جستجو میں جادہ پیما ہیں
ستارے جسکے شوقِ دید میں حسرت سراپا ہیں
وہ جسکے عشق کے آثار ہر ذرے میں پیدا ہیں
وہی محبوب ہے میرا وہی محبوب ہے میرا

گذر محفل میں جس کی قدسیوں کا ہو نہیں سکتا
ملائک کو کبھی جس کا نظارا — ہو نہیں سکتا
وہ — جس کا راز — انسانوں سے رسوا ہو نہیں سکتا
وہی محبوب ہے میرا وہی محبوب ہے میرا

ابد ہے جس کی زلفوں کی سیہ پوشی کے سایہ میں
ازل — جس کی حسین آنکھوں کی مدہوشی کے سایہ میں
محبت، نغمہ گر ہے جس کی خاموشی کے سایہ میں
وہی محبوب ہے میرا وہی محبوب ہے میرا

وہ جس کی بے نیازی ہے نیازِ عشق کا حاصل
وہ جس کی کج ادائی امتیازِ عشق کا حاصل
وہ جس کا عشق ہے، سوز و گدازِ عشق کا حاصل
وہی محبوب ہے میرا وہی محبوب ہے میرا

تصور جس کا تسکیں بخشِ احساس وفا کوشی
وہ جس کی یاد کیف سرمدیت سے ہم آغوشی
بقا ہے یاد جس کی اور فنا جس کی فراموشی
وہی محبوب ہے میرا وہی محبوب ہے میرا

جسے میری تمنا ہے مجھے جس کی تمنا ہے!
جسے ڈھونڈا ہے میں نے اور جس نے مجھکو ڈھونڈا ہے
میں جس کے دل کی دنیا ہوں جو میرے دل کی دنیا ہے
وہی محبوب ہے میرا وہی محبوب ہے میرا

جو خود میری طرح مجبورِ ہجرانِ جدائی ہے
جو مجھ سے دور رہکر خود بھی حیرانِ جدائی ہے
روشؔ جس کی محبت داغِ حرمانِ جدائی ہے
وہی محبوب ہے میرا وہی محبوب ہے میرا

روشؔ صدیقی

انتظار کیجئے جنوری ۱۹۳۳ء کے نگار کا جو ۱۶۰ صفحات کو محیط ہوگا اور جس میں وہ کچھ ہوگا جو آپ نے اس وقت تک دیکھا ہی نہیں۔
"مینیجر نگار لکھنؤ"

معلومات

ایک گدھا جس نے معدن دریافت کی

گدھوں کی دنیا میں یہ واقعہ غالباً اپنی قسم کا بالکل پہلا واقعہ ہوگا کہ کسی گدھے نے کوئی معدن دریافت کی ہو اور معدن بھی وہ جس کی قیمت کروروں اشرفیاں ہوتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ گدھا اتنے عظیم الشان انکشاف کے بعد بھی گدھا ہی بنا رہا لیکن اپنے مالک کو جتنا فائدہ پہنچا گیا اس کی مثال انسانی دنیا میں بھی کم ملتی ہے۔

دو شخص اوروِرک اور کلوگ امریکہ کے مقام ریڈاہو میں پہاڑیوں میں پھرا کرتے تھے اور کسی معدن کا دریافت کرنا ان کا مقصود زندگی تھا۔ ایک بار انھوں نے وہیں کے کسی آدمی سے گدھا سواری کے لئے کرایہ پر لیا اور اس پر چڑھ کر کسی پہاڑی کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب چلتے چلتے وہ تھک گئے تو ایک جگہ اتر کر آرام کرنے لگے اور گدھے کو چرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔ چند گھنٹوں کے بعد جب وہ آرام کر چکے تو انھوں نے پھر آگے چلنے کا ارادہ کیا اور گدھے کو ڈھونڈنے لگے۔ لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ آخر کار کافی جستجو کے بعد یہ گدھا ایک اونچے ٹیلے پر چرتا ہوا دکھائی دیا۔ انھوں نے وہاں پہنچکر اسے کھینچ کر لانا چاہا۔ لیکن وہ بری طرح اڑ گیا اور اپنے اگلے سموں سے ٹاپ مارنے لگا۔ اتفاق سے ان دونوں کی نگاہ جو زمین پر پڑی تو دیکھا کہ جہاں جہاں گدھے نے ٹاپ ماری تھی وہاں کچھ ذرات چاندی اور سیسے کے پڑے ہوئے ہیں اور اس طرح وہ دنیا کی عظیم الشان معدن دریافت ہوئی جس کا نام "Bunker mine and Sullivan mine" ہے۔ اس واقعہ کے بعد معدن کی ملکیت کے متعلق آپس میں نزاع ہوئی۔ گدھے کا مالک نے اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا اور گدھے کے سواروں نے اپنی ملکیت کا جس کا فیصلہ ۱۸۸۵ء میں عدالت نے یہ کیا کہ نصف نفع گدھے کے مالک کو ملنا چاہیے۔ چنانچہ گذشتہ سال تک اسّی لاکھ اشرفیاں بصورت نفع گدھے کے مالک کو مل چکی ہیں۔

انسانی آبادی کی حقیر وسعت

کسی سے کہو کہ کرۂ زمین کے تمام باشندے اگر جمع کر کے صف بصف اوپر نیچے کھڑے کئے جائیں تو ان کے لئے نصف میل مکعب سے زیادہ جگہ درکار نہ ہوگی۔ تم سمجھتے ہو کیا وہ اس کا یقین کرے گا۔ ہرگز نہیں۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے۔

نصف مکعب میل کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اٹھارہ ارب اڑتالیس کرور ستانوے لاکھ چوالیس ہزار مکعب فیٹ پائے جاتے ہیں۔ اچھا اب فرض کرو کہ ہر انسان کے لئے ہم اوسطاً چھ فٹ لمبی دو فٹ چوڑی اور

ایک فٹ عمیق جگہ کی ضرورت ہے تو نہایت آسانی سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی ایسی مکعب جگہ میں جس کے ایک ضلع کا طول نصف میل ہو ایک ارب پچاس کرور انسان سے زیادہ سما سکتے ہیں۔

کاغذی دودھ

حال ہی میں ڈنمارک کے کسی کاشتکار نے ایک عجیب وغریب اختراع غذا کی دنیا میں کی ہے یعنی وہ دودھ کو کاغذ کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے جو بہت عرصہ تک خشک ومحفوظ رکھا جا سکتا ہے اس کا بیان ہے کہ اگر اس کے اصول کے مطابق ورق شیر طیار کئے جائیں تو وہ سالہا سال تک محفوظ رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اسی قسم کا ایک ورق گرم پانی کے ایک پیالہ میں ڈالنے سے نہایت نفیس دودھ تیار ہو گیا جو مزہ اور خوشبو میں بالکل تازہ دودھ کی طرح تھا۔ اب ڈنمارک میں مستقلاً ایک کمپنی اس صنعت کے لئے قائم کی جا رہی ہے۔ جس میں یہ کاغذی دودھ تیار کیا جائیگا اور ڈبوں میں بند کرکے دنیا کے تمام بازاروں میں بھیجا جائے گا۔

جاپان کی آبادی کا حیرت انگیز نشو ونما

جاپان میں جس نسبت سے انسانی آبادی بڑھ رہی ہے اُس کی مثال کسی اور ملک میں نظر نہیں آتی۔ گذشتہ سال وہاں کی مردم شماری سے یہ تحقیق ہوا ہے کہ صرف جزیرۂ جاپان میں اس وقت چھ کروڑ چالیس لاکھ چار ہزار انسان آباد ہیں۔ جاپانی نوآبادیوں کی آبادی اس کے علاوہ ہے۔ ۱۹۲۵ء میں جتنی آبادی جاپان میں پائی جاتی تھی اس میں اب سینتالیس لاکھ تیرہ ہزار ایک سو اسی کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے اتنی ہی مدت میں صرف سینتیس لاکھ تیرہ ہزار سات سو انتہر آدمیوں کا اضافہ ہوا تھا۔ جاپان میں ہر سال تقریباً سولہ فی ہزار کا اضافہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ اقتصادئین کی رائے ہے کہ جاپان کی آبادی بہت جلد دس کرور تک پہنچ جائے گی اور دول کبریٰ میں آبادی کے لحاظ سے اس کا تیسرا درجہ ہو جائیگا۔ لیکن اسی کے ساتھ جو اقتصادی مشکلیں پیدا ہو جائیں گی وہ بھی نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں ہیں اور غالباً یہی وہ خیال ہے جو جاپان کو چین کے خلاف جنگ کرنے اور منچوریا میں اپنے اثرات وسیع کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔

آئندہ جنوری ۱۹۳۳ء کا رسالہ نگار وقف ہوگا ایک ایسے موضوع کے لئے جس پر اردو میں اس وقت تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔
مینیجر رسالہ نگار لکھنؤ

ادبِ اردو کا مکمل ذخیرہ

تاریخ اردوئے قدیم وہ مکمل جامع تاریخ ہے جس میں زبان اردو اور اسکی نظم و نثر کی مفصل اور مکمل تاریخ اور عہد بعہد کی ترقیوں کا مکمل تذکرہ ہے زمانہ ابتدائی زبان اردو سے لیکر بارہویں صدی ہجری کے نصف اول تک کا ذکر اور اسی کے ضمن میں تمام شعرا اور مصنفین کے نہایت صحیح اور بعید دلچسپ حالات بھی تحریر ہیں جس کو حکیم سید شمس اللہ قادری ماہر علوم آثار قدیمہ نے عربی فارسی اردو انگریزی فرانسیسی جرمنی وغیرہ کی مشہور و مستند کتابوں سے اخذ کر کے مرتب و مدون کیا۔ جو ۱۹۲۷ء سے عثمانیہ یونیورسٹی کے امتحان ایم اے میں بھی داخل ہے قیمت عہ

تاریخ ادب اردو یعنی ہسٹری آف اردو لٹریچر کا اردو ترجمہ جسمیں نظم و نثر کی تدریجی ترقیوں کو اس حسن و خوبی کے ساتھ دکھایا گیا ہے کہ اس سے بہتر آج تک کسی کتاب میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔ خوبی یہ ہے کہ دور اول سے لیکر زمانہ حال تک کے تمام شعرا اور نثر نگاروں کے واقعات زندگی اور انکی سوانح کو بھی انتہائی شرح و بسط کے ساتھ دکھایا گیا ہے ساتھ ہی ساتھ تنقیدی نظر بھی ڈالی گئی ہے۔ دو جلدیں ہیں ایک جلد میں نظم اور دوسری میں نثر کا تذکرہ ہے۔ قریب قریب سو مصنفین کی تصاویر بھی اسمیں دی گئی ہیں۔ اور ایک انڈکس بھی شامل کیا گیا ہے اس میں دوسرے تذکروں کی غلطیاں بھی دکھائی گئی ہیں چھپائی اس قدر مرغوب ہے کہ دیکھکر جی خوش ہوتا ہے قیمت لعہ

تذکرۃ الخواتین اردو اور فارسی کی نہایت مشہور و معروف شاعرہ عورتوں کا جامع تذکرہ ہے۔ بہترین کلام کا تذکرہ ہے اور عورتوں کا کوئی تذکرہ اس سے بہتر نہیں دیکھا گیا قیمت عہ

دیوان خواجہ میر درد خواجہ میر درد کے کلام کو نہایت صحت کے ساتھ نہایت قدیم نسخوں سے ملا کر چھاپا گیا ہے شروع میں خواجہ صاحب کا تذکرہ اور ان کے شاگردوں کے جامع حالات مقدمہ میں درج ہیں قیمت ۱۲ ار

مذاہب الاسلام ایک خاص قسم کا تذکرہ ہے جسمیں مسلمانوں کے تمام فرقوں کے حالات و عقاید کا نہایت تفصیل اور تشریح کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے بہتر اس فن میں کوئی کتاب نہیں ہے نہایت دلچسپ کتاب ہے قیمت للعہ

سخن شعراء مولوی عبد الغفور صاحب نساخ کا لکھا ہوا اردو شعرا کا نہایت جامع تذکرہ ہے اور مشکل سے اسمیں اس زمانہ کے شعراء چھوٹے ہیں۔ جا بجا کلام کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے نہایت عمدہ اور نایاب تذکرہ ہے قیمت عہ

تذکرہ حسینی فارسی اس قدر بہترین اور دلچسپ تذکرہ ہے کہ شاید اس کی نظیر فارسی کے کسی دوسرے تذکرہ میں آپ کو نہ مل سکے گی شعراء کے حالات اور کلام کے علاوہ جس قدر لطائف انسے متعلق ہیں وہ بھی لکھدیئے گئے ہیں یہ تذکرہ زمانہ عالمگیر بادشاہ میں لکھا گیا تھا قیمت ۱۱ ار

تذکرہ گلشن بیخار نواب مصطفٰے خاں مرحوم کا مشہور اور مقبول اردو شعراء کا زبان فارسی میں تذکرہ ہے قیمت ۱۰ ار

انتخاب نادرہ تمام شعراء کے بدیع اور لطیف لطائف کو تواریخ کی کتابوں سے انتخاب کر کے لکھا گیا ہے قیمت سہ ر

المشتہر
منیجر نولکشور پریس صیغہ بکڈپو لکھنؤ

اعتراض - پہلا حُسن تو اس شعر کا یہ ہے کہ مصرع اولیٰ پڑھا نہیں کہ یہ مصرع یاد آگیا ؎

(ملاحظہ ہو بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۴۴) متعلق تھے اسی وجہ سے اودھ کے شاہی خاندان کی معیت میں ولایت گئے اور اس کے بعد ۱۲۸۵ھ میں مٹیا برج کلکتہ چلے گئے اور وہیں تعلیم و تربیت کی بنیاد پڑی۔ انیس برس کی عمر میں کلکتہ سے واپس ہوئے اور لکھنؤ چلے آئے بیس سال کی عمر میں شادی ہوئی اور پھر دہلی تشریف لیجاکر مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے علم حدیث کی تکمیل کی ۱۸۸۰ء میں اودھ اخبار میں ملازم ہوئے۔ شباب کا جوش۔ قلم میں قدرت۔ دل میں اُمنگ۔ نظر میں وسعت موجود تھی جو لکھتے کم تھا ——— ایسے ایسے چوٹیلے مضامین لکھے کہ پڑھنے والے پھڑک پھڑک اُٹھے۔ صلہ بھی دلخواہ ملا۔ کہ یہی مضامین شہرت ابدی کے سنگ بنیاد ہوگئے۔ پھر ایک رسالہ محشر نکالا اُس سے اور قیامت ڈھائی ایسی علمی ادبی خدمتیں کیں جن کی آج تک زمانے میں دھوم ہے۔ آپ کی مفصل سوانح عمری مختلف رسالوں میں چھپ چکی ہے آپ نے ۱۹۲۶ء میں انتقال فرمایا۔

سب سے بڑا اہم واقعہ جو آپ کی ادبی خدمات کی زندگی میں نمایاں درجہ رکھتا ہے وہ یہ تھا کہ پنڈت برج نرائن چکبست نے ۱۹۰۵ یا ۱۹۰۴ء میں مثنوی گلزار نسیم پر ایک مقدمہ لکھکر چھپوایا۔ مولانا اس زمانے میں دلگداز نکالتے تھے بحیثیت اڈیٹر کے آپ کی خدمت میں بھی یہ مثنوی پیش کی گئی آپ نے اس کو دیکھکر نسیم کے طرز کلام اور مثنوی کے بعض اشعار پر اعتراض کئے اس مثنوی کے مقدمہ لکھنے اور اس کو عمدہ حیثیت سے پیش کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ منشی سجاد حسین مرحوم اڈیٹر اودھ پنچ کا تھا جو چکبست کے بڑے دوست تھے۔ اُن کو مولانا کے اعتراض دیکھکر تاب نہ رہی پہلے تو جواب لکھا اور اس کے بعد اودھ پنچ کے ذریعہ سے وہ ہنگامہ برپا کیا کہ تمام ملک میں شور بلند ہوگیا۔ اُنھوں نے اعتراض کا تانتا باندھ دیا۔ اور مولانا شرر کی ادنیٰ و اعلیٰ نظم و نثر غرضکہ تمام تصانیف کو کسی نہ کسی طرح سے مجروح کیا انھیں میں سے (بدرالنساء اور اس کی مصیبت) مولانا کا ایک ناول ہے جو پردے کے خلاف لکھا گیا تھا اُس پر بھی قلم اُٹھایا۔

منشی سجاد حسین

۱۸۵۶ء بمقام کاکوری میں پیدا ہوئے اور ۱۸۷۳ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کر کے کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف اے کی تعلیم میں مصروف ہوئے۔ مگر طبیعت کے جوش نے پڑھنے سے بیزار کر دیا ؎

بقدر ذوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مری بیاں کے لئے

طالب علمانہ زندگی کی زنجیریں توڑ کر فیض آباد پہونچے۔ فوج میں اُردو پڑھانے پر ملازم ہوگئے۔ مگر ازلی منشی اور فطری انشار پرواز کو معلمانہ زندگی سے نسبت ہی کیا۔ جی نہ لگنا تھا نہ لگا۔ اور چند ہی روز میں لکھنؤ چلے آئے۔ اور اودھ پنچ کی بنیاد ڈالدی جو ۱۸۷۷ء سے لیکر ۱۹۱۳ء تک نہایت شان کے ساتھ نکلتا رہا۔ سچ یہ ہے کہ اس اخبار نے ظریفانہ خدمات ہی انجام نہیں دیں بلکہ سیکڑوں ادیبانہ نکات اس کے ذریعہ سے حل ہوئے۔ آخر ۱۹۱۲ء میں منشی صاحب کی (ملاحظہ ہو بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۴۶)

بعد مدت کے پھنسا ہے یہ پُرانا چنڈول

علاوہ اس کے پاکیزگی زبان کا یہ عالم ہے کہ سبحان اللہ خصوصاً (لوگر) ترکیب نے تو شعر میں جان ڈالدی سفید کاغذ۔ سیاہ کاغذ۔ تہبین کاغذ۔ دبیز کاغذ آج تک سنا تھا۔ یہ (لوگر کاغذ) شرر کے دماغ کی پیپر مل سے بنکر نکلا ہے ہو نہو (لوگر) فرانسیسی زبان کا کوئی لفظ ہے جو بغیر فرانسیسی ڈکشنری دیکھے سمجھ میں نہیں آسکتا اور سنئے خط کے معنوں میں کاغذ کا استعمال کس قدر مناسب ہے یہ خاص لکھنؤ کی مستند زبان ہے۔ جس کا پتہ گلزار نسیم میں نہیں ملتا۔ نیز پیامبر کے بدلے پمیبر کتنا فصاحت میں شرابور ہے۔ مولانا تو لغوی معنوں پر مٹے ہوئے ہیں اسی طرح (پمیبر) کے معنے لغت میں قاصد کے ہیں۔ سب پر طرہ یہ ہے کہ دونوں مصرعوں میں ربط کس قدر ہے۔ ایک گندھی ہے تو دوسرا مولوی۔

(مولف) اس میں شک نہیں کہ مولانا شرر کے شعر میں تعقید نہایت بدنما ہے۔ اس شعر کی نثر یہ ہوگی:۔
"تو۔ بعد مدت کے اگر یار نے کاغذ لکھا۔ تو ہاے پمیبر کاغذ دیں بھول آیا ہے"۔ مگر غلطی کوئی نہیں ہے۔ معترض کے اعتراض سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ کاغذ کو خط کے معنے میں صحیح نہیں جانتا۔ مگر یہ خیال غلط ہے فصحا۔ اغذ بمعنی خط اردو میں اور نیز فارسی میں مستعمل کیا ہے۔ گو آج قریب قریب متروک ہے۔ فارسی کی مثال ملاحظہ ہو محمد قلی۔ سلیم ؎

بزندگی پَے میراث خواریم صد بار — گرفتہ ہیچو کبوتر زمن ہما کاغذ
کند بہار بہ برگ شگوفہ یاد تُرا — چو آشنا کہ فرستد بہ آشنا کاغذ
گماں بری کہ بہم ریخیت دفتر افلاک — زبس بکوے تو می ریزد از ہوا کاغذ

(ملاحظہ ہو بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۴۵) صحت کی خرابی کی وجہ سے یہ اخبار بند ہوا اور اس کے چندہی روز بعد ۱۲۹۳ھ میں منشی صاحب نے بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا۔ تقریباً دو سال تک اخبار بند رہا۔

منشی صاحب کو چونکہ چکبست صاحب سے دلی الفت و محبت تھی اور پنڈت برج نرائن صاحب بھی ان کا بزرگانہ اور استادانہ ادب کرتے تھے اس لئے منشی صاحب نے شرر صاحب پر اعتراض کئے اور خود سپر بنکر اُن تمام اعتراضات کی تردید کی جو شرر مرحوم نے چکبست کی ترتیب کردہ مثنوی اور نسیم پر کئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ شرر صاحب کے مقابلے پر منشی صاحب نے ذرا زیادتی سے کام لیا۔ مگر اس سے اس خلوص کا پتہ چلتا ہے جو انھیں اپنے احباب کے ساتھ تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خود منشی صاحب ہی نے گلزار نسیم کی ترتیب دیکر چکبست مرحوم کا نام کردیا تھا۔ مگر چکبست خود ایک روشن دماغ نوجوان تھے۔ اس لئے یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔

اردو میں مثالیں بہت سی مل سکتی ہیں۔ چنانچہ شاہ ظفر مرحوم لکھتے ہیں :۔

قبول دے نہ کہیں مارد ہاڑیں کاغذ

رہا پیمبر والا اعتراض اس کا جواب دیا جائے تو یہ کہنا کافی ہے کہ جب قاعدہ سے صحیح ہے تو اس پر اعتراض کی کیا وجہ ہے فارسی میں بھی پیامی کے معنوں میں ہے اور اردو میں بھی ملتا ہے۔ پیارے صاحب رشید لکھنوی جو دور آخر کے ایک مشہور مرثیہ گو تھے اپنی ایک غزل میں پیغمبر کا لفظ اس ترکیب سے لاتے ہیں۔

کروں کیونکر نہ تعظیم اس کی جو لائے خط جاناں	که اکثر ایسے ہی لوگوں میں پیغمبر نکلتے ہیں

مگر حق یہ ہے کہ عرف عام میں چونکہ یہ لفظ نبی مرسل کے لئے خاص ہے اس لئے میں اس کا استعمال ایک قاصد کے لئے نہایت مکروہ جانتا ہوں۔ اور جیسے گھوڑے کا گوشت مصلحتاً اور آدمی کا گوشت کھانا تعظیماً منع ہے۔ اسی طرح میں شاعری میں اس لفظ کو سمجھتا ہوں۔ باقی پورے اعتراض میں ظرافت ہی ظرافت ہے۔

شعر۔ وصف تنگئ دہن کا جو لکھا بر کاغذ	ہو گیا غنچۂ وابستہ سمٹ کر کاغذ

اعتراض ۔ اول تو تنگی دہن میں دی اکا زور ملاحظہ ہو بس نبی کی طرح لٹکی پڑتی ہے۔ اور بر کاغذ کی ترکیب تو لوگر کاغذ سے بھی بڑھی ہوئی ہے آخر بر کاغذ کیا بلا ہے۔ مولوی صاحب نے تو غالباً بر کے معنے اوپر کے لئے ہیں جس سے کل مصرع کے معنے یوں ادا کئے جا سکتے ہیں۔ کہ وصف تنگی دہن کا جو لکھا اوپر کاغذ کے۔ مگر ممکن ہے مولانا کی طبع بکر کا منشا یہ ہو کہ (بر) میں حرف با پر بجائے زبر کے کوئی اور علامت رہے لیکن قافیہ سے مجبور ہو گئے۔ چنانچہ تنگی دہن، غنچہ وابستہ اور سمٹ کر کی رعایت بھی موجود ہے۔

(مولف) بر کاغذ، اگرچہ صحیح ہے۔ مگر نہایت بھونڈی ترکیب ہے۔

شعر۔ دلپہ جھرمٹ دم تحریر کیا شوق نے کیا	لکھا کچھ بھی نہیں جیسر لکھا دن بھر کاغذ

دیکھئے اس شعر میں کاغذ کس قدر ضروری ہے بس استاد کا مصرع یاد آجاتا ہے ؎

ہے بستاں فارسی ہندی لسوڑا سانپ کا

دوسرے مصرع میں دونوں جگہ لکھا کا الف گندھی کی ٹانگ کی طرح کمزوری کے مرض میں مبتلا ہے بس دبا جاتا ہے۔ شوق کا جھرمٹ بھی ملاحظہ طلب ہے۔ نیز آخر میں کیا کتنا فصیح معلوم ہوتا ہے۔ آخر اس کم بخت شعر کے معنے کیا ہیں۔

(مولف) شعر کے معنے یہ ہیں کہ ــــ خط لکھتے وقت دلبر شوق کا ہجوم تھا کہ یہ بھی لکھوں اور وہ بھی لکھوں۔ گر طلب الکل فوت الکل کا مضمون ہوا اور کچھ بھی نہ لکھ سکا۔ اگرچہ شعر کی بندش سُست اور خیالات مبتدیانہ ہیں مگر ظاہراً اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔

شعر۔ نامہ بر قتل کئے نوچے کبوتر کے پر ‏ ‏ اب بھلا بھیجیں گے بولو تمہیں کیونکر کاغذ

اعتراض۔ واللہ مولانا نے اپنے پنجۂ فکر سے کیا شاعری کو نوچا کھسوٹا ہے (بولو) دوسرے مصرع میں خواہ مخواہ ٹھونسا پڑتا ہے اور کاغذ تو حسب معمول خط کے معنوں میں اس شعر میں بھی استعمال ہوا ہے نسیم کے اس مصرع پر کہ ؎

خاتم کے نگیں بنائے ہوتے

تو شرر کا یہ اعتراض تھا کہ بغیر اُنھوں نے کے مصرع نامکمل ہے۔ مگر اس شعر کے دوسرے مصرع میں یہ نہ سوجھا کہ بغیر ہم کے مطلب خبط رہتا ہے۔

(مولف) معترض کا اعتراض قابل تسلیم ہے۔

شعر۔ واں سے پھر آیا تو پھر بھیجا پھرا پھر بھیجا ‏ ‏ یونہی کتنے دنوں کھایا کیا چکر کاغذ

اعتراض۔ واللہ پہلے مصرع کے پھیر پھیر سے شعر پھرکی بن گیا۔ جیسے دوسرے مصرع میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ۔ (کھایا کیا چکر کاغذ) اس شعر میں ایک اور حسن ہے کہ مصرع اولیٰ موزوں پڑھا نہیں کہ بھیجا کا الف ٹوٹی زیربائی کے تلے کی طرح سٹ سے نکل گیا۔

(مولف) مصرع اولیٰ کو کہنے والے نے اپنے نزدیک بڑی صنعت کے ساتھ کہا ہے مگر افسوس کہ وہ سست ہی رہا۔ الف کے گرنے کا اعتراض اس لئے تو صحیح ہے کہ فصحائے متاخرین نے حروف علت کے گرنے اور دبنے کو معایب شعر میں سے سمجھا ہے اور غلط اس لئے ہے کہ یہ غلط اور ناجائز نہیں حروف علت کا بشرطیکہ وہ اصلی نہ ہوں۔ اردو میں گر جانا لوگوں نے جائز ضرور سمجھا ہے اور اس کی ہزارہا مثالیں موجود ہیں۔

شاعر دمتنا

للن صاحب شاعر جناب ذاخر لکھنوی کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ اور فی الحال ریاست رامپور میں ملازم ہیں۔ آپ کی لیاقت عربی فارسی کی خاصی ہے۔ شعر بھی اپنے ہم عمروں میں اچھا کہتے ہیں آپکی

ایک نظم (صبح صبح ایک گلوری) کے عنواں سے شایع ہوئی تھی۔ اسپر سجاد حسین صاحب تمنا نے اعتراض کئے ہیں۔

جناب تمنا

مجن صاحب تمنا۔ جناب جاوید مرحوم کے برادر نسبتی ہیں۔ نہایت نیک مزاج خوشگو ہیں اس وقت کوئی چالیس بینتالیس برس کی عمر ہوگی۔ کم از کم بیس پچیس برس سے مشق سخن جاری ہے اعتراضوں سے پتہ چلتا ہے کہ معترض کو شاعری کے متعلق اچھی خاصی فنی معلومات ہے۔

شاعر ؎ کشتی مرادابادی جس میں نفیس صابن

اعتراض۔ یہ کس طرح موزوں ہو سکتا ہے اور کس طرح تقطیع میں پورا آسکتا ہے …… میرے خیال ناقص میں آپ کے اس مصرع میں لفظ (آباد) کا پہلا الف جو کہ الف ممدودہ ہے اور جس کی تقطیع میں بجائے ایک کے دو الف لئے جاتے ہیں۔ وہ الف پورا زاید ہے اور تقطیع اس کی یہ ہے ؎ کشتی مُ مفعولُ راد بادِی فاعلاتن جس مے نَ مفعولُ۔ فیس صابن فاعلاتن۔ اب ملاحظہ ہو کہ اس میں آباد کا پورا الف جو کہ دو الفوں کے برابر ہے تقطیع سے بالکل خارج ہوگیا یا نہیں۔ رہی وہ حرکت جو کہ مراد کی دال پر آگئی ہے جسکو آپ غالباً الف وصل کی حرکت سمجھے ہوئے ہیں' وہ اصل میں الف وصل کی حرکت نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا ساکن ہونے کی وجہ سے آگئی ہے اس کی مثال مثنوی قلق کے حسب ذیل شعر سے ملاحظہ ہو۔ جناب قلق مرحوم فرماتے ہیں ؎

سب جو عاشق مزاج رہتے تھے عشق آباد اس کو کہتے تھے

مذکورہ شعر جو کہ بحر خفیف میں ہے اس کے مصرعہ ثانی کی تقطیع یہ ہے۔ عشق آبا فاعلاتن۔ دِ اسکُ کہ مفاعلن، تے تے۔ فعلن۔ دیکھئے اس مصرع میں عشق کا قاف جو کہ دوسرا ساکن حرف ہے اس پر حرکت بھی آگئی ہے اور آباد کا الف ممدودہ بھی دو الف ہو کر آیا ہے۔ بخلاف اس کے آپ کے مصرع میں بعد دال کی حرکت کے ایک الف بھی باقی رہتا ہی اب دوسری مثال ملاحظہ ہو جناب ظریف لکھنوی بحر ہزج میں فرماتے ہیں ؎

برہمن جب سفر سوئے الہ آباد کرتے ہیں

برہمن جب مفاعیلن۔ سفر سوئے۔ مفاعیلن، الہ آبا۔ مفاعیلن، دکرتے ہیں۔ مفاعیلن۔ دیکھئے اس میں بھی الف ممدودہ کی تقطیع میں دو الف آئے ہیں۔ اب تیسری مثال ملاحظہ ہو ؎

میں اُسے یاد آؤں گا وہ مجھے یاد آئے گا

تقطیع ۔مے اُسے یا مفتعلن، دِ آ دُنگا۔ مفاعلن، دو بجے یا۔ مفتعلن، دِ آ ئے گا۔ مفاعلن۔ دیکھئے یہ مصرع بھی بعینہ آپ کے مصرع کی مثال ہے۔ یعنی آپ کے مصرع میں جس طرح مراد کی دال دوسرے ساکن حرف الف وصل کے قبل جو کہ الف ممدودہ بعد ہے۔ واقع ہوا ہے۔ اسی طرح اس مصرع میں بھی یاد کی دال آدن گا کے الف ممدودہ کے قبل جو کہ الف وصل بھی ہے واقع ہوئی ہے۔ مگر اس مصرع میں بھی یاد کی دال پر حرکت آنے کے بعد دونوں الف تقطیع میں باقی رہتے ہیں خیر ایک قاعدہ تو یہ تھا جس کی مثالیں دی جاچکیں۔

اب رہا دوسرا اسکو بھی پہلے ہی سے بیان کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ بعض موقعوں پر حسب ضرورت اور حسب قاعدہ دوسرے ساکن کی حرکت نہیں بھی لی جاتی۔ اور حرفِ وصل ہی کی حرکت اپنے ماقبل حرف پر باقی رہتی ہے جس کی مثال ناسخ مرحوم کے اس مطلع سے جو کہ بحر مضارع میں ہے پیش کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

ناسخ ؎ دیکھا جو دوپہر کو جلال آفتاب کا آیا وہیں خیال کسی بے نقاب کا

اس مطلع کے مصرعہ اولیٰ کی تقطیع حسب ذیل ہے۔

دیکھاج۔ مفعولُ، دوپ ہرکُ۔ فاعلاتُ، جلالاف۔ مفاعیل، تاب کا۔ فاعلن۔ دیکھئے اس مصرع میں جلال کا لام دوسرا ساکن حرف ہے اور آفتاب کا پہلا الف، یعنی الف ممدودہ الف وصل ہے۔ جس کی تقطیع میں دو الف آنا چاہیے تھے۔ مگر یہاں بعد لام کی حرکت کے صرف ایک ہی الف باقی رہتا ہے چنانچہ وجہ اس کی یہی ہے کہ حسب ضرورت اور حسب قاعدہ دوسرے ساکن حرف کی حرکت کو حذف کردیا ہے اور الف وصل جو کہ اتفاق سے الف ممدودہ بھی ہے اُس کی ایک حرکت تو ماقبل حرف پر یعنی جلال کے لام پر آگئی ہے۔ اور دوسرا الف تقطیع میں باقی رہا ہے۔ یعنی لاف تقطیع میں آیا ہے۔ اب اسی طریق کی دوسری مثال لفظ مرادآباد کی ملاحظہ ہو۔ سید مجاور حسین صاحب ممتا لکھنوی کا ایک قطعہ تاریخ جو کہ بحر رمل میں ہے۔ اور کنکوے کے متعلق شایع ہوا تھا اُس کے ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

آگرہ۔ میرٹھ۔ مرادآباد میں دیکر شکست وال کے استادوں میں خوب اپنی بڑھائی آبرو

اس مصرع اولے کی تقطیع یہ ہے۔ آگرا مے۔ فاعلاتن۔ رٹھ مرادا فاعلاتن، باد مے دے۔ فاعلاتن۔ کر شکست۔ فاعلات۔ اس مصرع کے بھی دوسرے ساکن حرف کی حرکت جو بسبب ممدودہ ہونے کے برابر دو الف کے ہے اس کی ایک حرکت تو ماقبل پر یعنی مراد کی دال پر آگئی ہے۔ اور دوسرا الف تقطیع میں باقی رہا ہے۔ یعنی (دا) رہ گیا ہے۔

تیسری مثال الف غیر ممدودہ کی ملاحظہ ہو جو کہ ایک ہی حرف سمجھا جاتا ہے۔ اور تقطیع میں اس کی حرکت بھی ایک ہوتی ہے۔ یہ الف جب کہ دوسرے ساکن حرف کے بعد الف وصل قرار پاتا ہے اور ضرورت

یہی ہوتی ہے تو دوسرے ساکن حرف کی حرکت کو حذف کر کے صرف ایک اسی الف وصل کی حرکت اس کے قبل جو صرف ہوتا ہے۔ اس پر لے آتے ہیں جیسے منیر مرحوم کی مثنوی کے اس شعر سے جو کہ بحر ہزج میں ہے پایا جاتا ہے۔ منیر۔

کیا راہب نے قصد اس بوستاں کا　　　نظر آیا وہاں موسم خزاں کا

اس شعر کے مصرع اولیٰ کی تقطیع یہ ہے۔

کیا راہب - مفاعیلن ن قصد اس بو مفاعیلن ستا کا فعولن - دیکھئے اس شعر میں قصد کی دال دوسرا ساکن حرف ہے۔ مگر حرکت اس پر صرف ایک ہی آئی ہے۔ یعنی دوسرے ساکن کی حرکت حذف ہو گئی۔ اور حرف الف وصل کی حرکت باقی رہی۔ مختصر یہ کہ الف ممدودہ کی تقطیع میں ہر جگہ دو الف لئے جاتے ہیں اور غیر ممدودہ کا ایک اور دوسرے ساکن کی حرکت کے لینے یا نہ لینے کا انحصار ضرورت پر ہوتا ہے مگر ان صورتوں میں سے کوئی بھی صورت آپ کے مصرع میں نہیں پائی جاتی۔ اور پورا ایک الف ممدودہ جو کہ دو الفوں کی برابر ہے تقطیع سے خارج ہو جاتا ہے۔ یعنی دو حرف تقطیع سے زیادہ ہیں۔ ہاں اگر آپ یہ جواب دیں کہ ہم نے مرادآباد نظم کیا ہے۔ یا یہ صورت دیگر مرادآباد بغیر الف مدہ کے یعنی آباد بروزن فساد نظم کیا ہے۔ تو ہم ان دونوں صورتوں میں مصرع کا موزون ہونا تو مان لیں گے۔ مگر شہر کا نام غلط ہو جائے گا۔ یعنی شہر کا نام مراد باد۔ یا مرادا باد نہیں ہے۔ بلکہ مرادآباد بہ الف ممدودہ ہے۔

اعتراض ۲ صابن بھی ہماری نظر سے کسی لغت میں نہیں گزرا۔ ہاں صابون بیشک دیکھا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ نے کسی اردو لغت میں صابن بھی دیکھا ہو۔ اگر صابون کا مخفف ہو کر صابن رہ گیا ہے تو پھر مفتوح کیو نکر ہو گیا۔

(۳) بحر مضارع مثمن اخرب میں لفظ مرادآبادی کس طرح نظم ہو سکتا ہے یعنی میرے نزدیک لفظ مرادآباد مع یائے نسبتی کے مذکورہ بحر میں کسی جگہ پر نظم ہو ہی نہیں سکتا۔

(مولف) معترض نے اگرچہ تفصیل کی وجہ سے اعتراضات کو غیر معمولی طور پر طویل کر دیا ہے۔ مگر اس تطویل کو لاطایل نہ کہنا چاہئے۔ کیونکہ وہ اسی کے ذریعہ سے اپنے اعتراض کو بے انتہا مستحکم کرتے ہوئے چلے گئے ہیں پہلے اعتراض میں جواب کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یقینی مصرع معترض علیہ میں الف گیا ہے ——— اور اس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتیں، اور جو تاویلیں تھیں وہ بھی معترض نے ختم کر دی ہیں۔ تیسرا اعتراض پہلے ہی اعتراض کے متعلق ہے۔

دوسرا اعتراض صابئن پر ہے۔ جس میں اگرچہ اعتراض کو واضح نہیں کیا گیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے

اپنے مصرع میں لفظ صابون بغیر واؤ کے لکھا ہے جو معترض کے نزدیک صحیح نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ یہ لفظ عربی ہے اور دوسری زبانوں میں بھی مشترک ہے۔ عربی اور فارسی والوں نے اس کو بغیر واؤ کے استعمال نہیں کیا۔

چنانچہ محمد قلی سلیم کا یہ شعر ؎

چناں افراخت تیغ آن فتنہ قامت | بخونریزی کہ تا روز قیامت
عجب کز دامن دریا رود خوں | زند آنرا اصدف ہر چند صابوں

درویش والہ ہروی ؎ گسترده سخن ز سایہ ہتاب | صابوں زده خاک را بصد آب

طاہر وحید ؎ نمد پوش ہم ہست مدفون او | ہر کس رسیدہ ہست صابون او

اردو میں دونوں صورتوں سے مستعمل ہے۔ صابون بواؤ۔ اور صابن بغیر واؤ۔ بضم بائے موحدہ جو معہ واؤ کے مستعمل ہے وہ عربی ہے۔ مثال کے لئے شعور کا یہ شعر دیکھئے جس میں نون کو غنہ کی صورت میں استعمال کیا گیا ہے۔ ۱۰ رافیون وغیرہ کا قافیہ بنایا ہے ؎

کرے گا جامۂ عریاں تنی کو صاف اکدم میں | تمھارا نیچہ بھی ہے بُرش میں تار صابوں کا

دوسرا بغیر واؤ کے مثلاً رنگیں دہلوی کا یہ شعر ؎

جب پڑنے لگیں اُدھر سے صابن کے مول | سونے کی طرح تپ سے گیا خوب گھڑا

ممکن ہے کہ اس شعر میں صابوں پڑھا جائے۔ کیونکہ (کے) کی (ے) گرنے سے صابن میں واؤ موزوں ہو جاتا ہے۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اس واسطے کہ صابن کے مول پڑنا۔ ایک محاورہ ہے۔ جس کو کنایۃً استعمال کیا جاتا ہے۔ معنی۔ بہت سی جوتیاں پڑنا یے بھاؤ کی پڑنا۔ لہذا صابون بواؤ کہنے سے محاورے میں ایک تصرف ہو جائے گا۔ دوسرا محاورہ بھی موجود ہے۔ جس میں صابون بغیر واؤ (صابن) عام طور سے مستعمل ہوتا ہے۔ تشنیع کیا جانے صابن کا بھاؤ۔ اس لحاظ سے (صابن) بغیر واؤ متہند ماننا پڑے گا۔ اگرچہ متہند کی صورتیں اس میں موجود نہیں ہیں۔ مگر ایک شرط کہ اس کے حروف میں کمی بیشی ہو گئی ہے۔ تمام شرائط سے بہت زیادہ ہے۔ اسی خیال سے یہ اعتراض نہ سنگیں ہے۔ اور نہ واجب التسلیم ہے جیسے ہندوستان میں سیکڑوں قسم کا صابن تیار ہوتا ہے۔ اگر ایک لفظ بھی اس کے لئے تیار کر لیا گیا تو کیا نقصان ہوا۔ اسپر اعتراض کیوں کیا جائے

شوکت بخاری ۔ و مرزا فاخر مکین

شوکت تخلص نام محمد اسحق تھا۔ بخارا کا رہنے والا تھا۔ پہلے نازک تخلص کرتا تھا اس کے بعد شوکت اختیار کیا

اس کی شاعری کی ابتدا اریوں ہوئی کہ جب اسکا باپ جو صرافی کا پیشہ کرتا تھا مر گیا تو اس کے بجائے شوکت دکان پر بیٹھنے لگا۔ اس زمانے میں مرزا صائب کے کلام کی بڑی شہرت تھی۔ ہر شخص کی زبان پر صائب ہی کا کلام تھا۔ شوکت بھی تذکرۃً لوگوں سے کلام سنتا تھا اور لطف اٹھاتا تھا۔ شدہ شدہ طبیعت اور زیادہ لگ گئی تو کبھی کبھی کچھ خود بھی کہہ نکلتا تھا۔ آخرکار مشق بڑھتے بڑھتے کمال پر پہونچگئی اور استاد ہو گیا۔ ۱۱۰۸ھ یا ۱۱۰۷ھ میں انتقال کیا۔ شوکت حالات زمانہ سے کچھ ایسا متاثر ہوا تھا کہ فقیر ہو گیا۔ اور آخر عمر تک فقیر ہی رہا بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں کہ شوکت نے جو لباس فقیرانہ نقیری اختیار کرتے وقت پہنا تھا۔ پھر وہ آخر عمر تک نہ اتارا اور وہی اس کا کفن بنا۔ آخر میں لوگوں سے میل جول ترک کر دیا تھا۔ نہ بولتا تھا۔ نہ بات کرتا تھا۔ گم سُم بیٹھا رہتا تھا۔ کھانے پینے کی یہ کیفیت تھی کہ دو تین دن میں ایک روٹی کا ٹکڑا کھا لیتا تھا۔ مرزا فاخر مکین نے جنکا ذکر پہلے آچکا ہے ان کے اس شعر پہ بےمعنی ہونے کا اعتراض کیا۔

شوکت ؎ کسے می سنجد آں دندان و یاقوت لب ورا — کہ از شبنم بود سنگ و ز برگ گل ترازویش

یعنی۔ وہ شخص اس کے دانتوں اور اس کے یاقوت لب کو تول سکتا ہے جس کے پاس شبنم کے باٹ اور برگ گل کی ترازو موجود ہو۔ اس شعر کو دیکھکر سراج الدین علی خاں آرزو نے یوں بنایا۔

نہ سنجد گوہر دنداں و یاقوت لبش آنکس — کہ از شبنم بود سنگ و ز برگ گل ترازویش

اعتراض مرزا فاخر مکیں۔ نہ پہلی صورت میں کوئی معنے تھے اور نہ سراج الدین علی خاں آرزو کی اصلاح کے بعد کوئی معنے پیدا ہوئے۔

جواب سودا۔ صاحبان طبع مستقیم و مالکان ذوق سلیم جانتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں معنے دیتا ہے۔

(مولف) میں نہیں سمجھ سکتا کہ خان آرزو نے شوکت بخاری کے شعر پہ اصلاح کیوں دی تھی اور اس کی کونسی خاص وجہ تھی۔ ممکن ہے انھوں نے کہیں اسی طرح لکھا ہوا دیکھا ہو۔ ورنہ بظاہر اس دخل درمعقول کا کوئی سبب نہیں معلوم ہوتا۔ رہی فاخر مکین کی تنقید اور سودا کا جواب۔ اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ شوکت کے اصل شعر کے معنوں میں آرزو نے اپنے دخل سے ترقی ضرور کی۔ یعنی شوکت نے تو کہا تھا کہ اس کے دانتوں اور یاقوت لب کو وہ تول سکتا ہے جس کے پاس شبنم کے باٹ اور برگ گل کی ترازو موجود ہو۔ مگر آرزو نے بتایا کہ اس شخص کے لئے بھی ان کا تولنا ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ اس سے بھی زیادہ نازک ہیں۔ غالباً سودا نے بھی اسی ترقی کو ترقی کہا ہے۔ اب غور فرمایئے فاخر مکین کے اعتراض پر۔ میرے خیال میں وہ بھی صحیح ہے۔ کیونکہ شعر کی بنا محض مبالغہ اور ایک بے اصل خیال پر ہے ...... دوسری وجہ غلطی کی شوکت کے اصل شعر میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ کہتا ہے ؎

کسی مے سنجد آن دندان و یاقوت لب ورا

حالانکہ یہ بالکل واقعہ کے خلاف ہے دانت کہیں تولے نہیں جاتے۔ خواہ اُن کے لئے شبنم کے باٹ اور گل کی ترازو مہیا

کی جائے یا کچھ اور — شعر میں جو معنوی سقم تھا اس اصلاح سے وہ تو ضرور دور ہو گیا۔ اس لحاظ سے مرزا فاخر مکین کے اعتراض کو صحیح ماننا پڑے گا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ سودا نے جواب دینے میں چشم پوشی کی ہے اور تائید زبانی کے سوائے کوئی تشریح نہیں کی۔

ملا شیدا و ملا فیروز

ملا شیدا کے اسلاف فرقہ ہنگلو سے تھے جو اصل وطن مشہد مقدس کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہکر ہندوستان میں آئے تھے۔ اور یہاں فتحپور سیکری میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ملا شیدا کا مولد و منشا یہی قصبہ ہے۔ تعلیم و تربیت پانے کے بعد ملازمان شاہ جہانگیر میں داخل ہوا۔ اور احدیوں کے زمرہ میں منسلک ہو گیا۔ عبدالرحیم خانخاناں کے مداحوں میں بھی رہا جس کے عوض میں ایک گرانقدر صلہ حاصل کیا۔ آخر میں کشمیر جا کر عزلت گزیں ہو گیا۔ اور یہیں سنہ ھ میں رحلت کر گیا۔ شیدا نہایت زبردست نقاد اور سخن سنج تھا۔ تذکرے والے لکھتے ہیں کہ ایک لاکھ شعر اس سے یادگار ہیں۔ مگر متفرق کلام کے سوا کوئی پورا دیوان نہ مرتب ہو سکا۔ اور نہ کہیں ملتا ہے

شیدا نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے شاعروں پر زبردست اعتراضات کئے۔ بہت سے لوگوں کی ہجو لکھی ہزاروں کے کلام کو اغلاط سے مجروح کر دیا۔ مگر دو واقعے اس کی شاعرانہ زندگی میں ایسے گزرے ہیں جن کی نظیر مشکل سے ملیگی ایک تو وہی واقعہ کہ اس نے ایک شعر شراب کی تعریف میں کہا اور اُسے سنکر شاہجہاں کا مزاج اس وجہ سے کہ اس نے ایک حرام شے کے لئے ایسے محترم الفاظ استعمال کئے منحرف ہو گیا۔ شعر یہ تھا۔

چیست میدانی کہ گلگوں مصفا جوہرے　　حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

شاہجہاں نے یہ سنکر حکم دیدیا تھا کہ ممالک محروسہ سلطانی سے اس کو نکال دیا جائے۔ مگر ملا شیدا نے یہ عذر پیش کیا کہ ملا جامی رحمۃ اللہ نے بھی یہ شعر کہا ہے۔ جب اُن کے اوپر کوئی حد شرعی جاری نہیں ہوئی تو آخر میں کیوں عتاب سلطانی میں گرفتار ہوتا ہوں۔ بات معقول تھی سنکر بادشاہ نے خطا معاف کر دی شعر جامی ؎

ازصراحی دوبار قلقل مے　　پیش جامی بہ از چہار قل است

اس کے علاوہ معذرت کے لئے ایک قصیدہ بھی کہا جسکا یہاں لکھنا بیکار ہے۔

دوسرا یہ واقعہ ہے کہ شیدا پر سرقہ کا الزام لگایا گیا تھا — اکبر وز اجمیر میں ملا فیروز اُستاد لطف اللہ خاں کے مکان پر شعرا کا مجمع تھا۔ ملا عطائی جونپوری۔ ملا انوار لاہوری ملا مخترع۔ ملا طفیلی وغیرہ موجود تھے شعر و شاعری کا ذکر تھا۔ کہ اتنے میں کہیں سے شیدا کی شامت اعمال شیدا کو بھی یہاں کھینچ لائی۔

وگوں نے جب شیدا کو آتے دیکھا تو صلاح ہوئی کہ اس شخص نے سب کا قافیہ تنگ کر رکھا ہے کسی پر اعتراض کرتا ہے کسی
ی ہجو کرتا ہے۔ کسی کو بُرا کہتا ہے غرض ایک طومار باندھ رکھا ہے اور ایک قیامت برپا کیئے ہے اور غضب یہ ہے
ہ دوسروں کے مضمون اڑاتا ہے اور اپنے الفاظ میں دوسروں کو سناتا ہے۔ آج اس کی خبر لینا چاہیے۔ ملا فیروز
و متقدمین کے بہت سے شعر یاد تھے لوگوں نے ان سے استدعا کی کہ ہاں آج ذرا اسکی خبر لے ڈالئے بہت اتراتا ہوا پھرتا
ہے۔ ملا فیروز بھی راضی ہو گئے۔ اتنے میں شیدا مجلس میں آپہونچے۔

لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا تعظیم کے لئے اُٹھے مزاج پرسی ہوئی اس کے بعد وہی شاعرانہ تواضع
یعنی کچھ تازہ کلام سنائیے۔ شیدا غریب کو کیا خبر کہ زمانہ برسر جنگ ہے۔ بیچارے نے یہ مطلع جو اسی زمانے
یں کہا تھا بے تکلف سنا دیا۔

شیدا ؎ جلیست میدانی مے گلگوں مصفا جوہرے حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

ملا فیروز نے کہا کہ واہ جناب یہ مضمون تو رودکی کا ہے۔ شیدا نے کہا کیونکر۔ ملا فیروز نے کہا
سنئے۔ اور فوراً شعر پڑھ دیا ؎

عشق را تو پیمبری لیکن حسن را آفریدگار توئی

شیدا یہ سنکر دانت پیسکر رہ گیا۔ مگر کیا کرتا۔ دوسرا شعر یہ پڑھا۔

زبسکہ کردہ غمت بند در جگر ناخن چو پشت ماہیم از پائے تا بہ سر ناخن

ملا فیروز نے کہا چہ خوش جناب یہ مضمون غیاثائے حلوائی کا ہے سنئے یہ شعر ہے

؎ ازبسکہ سینہ کندم وناخن بران نشست چوں پشت ماہی است سراپائے سینہ ام

شیدا کو یہ شعر سنکر بڑا غصہ آیا۔ اور کہا کہ اچھا آپ بڑے سخن فہم ہیں تو اس شعر کا جواب سنائیے ؎

گر بصحرا مو فشانی دشت پر سنبل شود در بدریا رو بہ شوئی خار ماہی گل شود

ا فیروز نے کہا کہ کاتبی دو سو سال پہلے یہ مضمون لکھ چکا ہے ؎

گر بدریا افتد از عکس جمال او فروغ خار ماہی را رود در قعر دریا پا بہ گل

شیدا نے یہ شعر سنا اور نہایت مشتعل ہو کر غصہ کی باتیں کہنا شروع کیں۔ اسی حالت اشتعال میں کہا کہ بڑے
رہ ہو تو کوئی ایسا شعر نعت میں سناؤ۔

شیدا ؎ ذات تو بود صحیفہ کون کہ کرد از روئے ادب مہر خدا بر پشت

ملا فیروز نے حاضرین مجلس سے کہا کہ ذرا انصاف کیجئے اور دیکھئے کہ جب ہاتفی نے ڈیرھ سو سال پہلے یہ شعر
کہا ہے تو کیونکر مان لیا جائے کہ یہ مضمون شیدا نے پیدا کیا ہے۔

ہاتفی ؎ بنوت راتوئی آں نامہ درمشت کہ از تعظیمت آمد مُہر برپشت

یہ سنکر لوگوں نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا۔ اُن کا ہنسنا گویا بارود کے لئے چنگاری ہوگیا۔ ملاشیدا نے لوگوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ اور لطف یہ تھا کہ جس قدر یہ بُرا بھلا کہتا جارہا تھا لوگ معافی مانگ رہے تھے۔ اور برابر فرمائش کررہے تھے کہ کچھ اور سنا ئیے۔ مجبوراً پھر یہ شعر سنایا۔

شیدا ؎ زلف او را رشتۂ جاں گفتم و گشتم خجل زانکہ انیمعنی چوزلفش پیش پا افتادہ است

ملا فیروز نے کہا۔ کہ ملا شیدا میرے مہمان ہیں۔ اس لئے مجھے کچھ کہتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ یہ شعر بھی شیدا کا نہیں ہے یہ مضمون بھی ایک شخص کہا ہے وہ یہ ہے ؎

کس نیارد مصرع پیچیدۂ زلف کجت زانکہ انیمعنی چوزلفت پیش پا افتادہ است

القصہ جس قدر شعر ملا شیدا نے پڑھے۔ ملا فیروز نے اُن سب کا جواب دیا۔ یہاں تک ملا شیدا خاموش ہوگیا۔

ایک روز کسی جلسہ میں شیدا کا یہ شعر پڑھا گیا۔ لوگوں نے بڑی تعریف کی آزاد بلگرامی بھی وہاں موجود تھے شعر یہ ہے:۔

بسکہ بنگاشتہ اشکم رُخ کاہی از خوں مژہ ام بستہ بہم چوں پر ماہی از خوں

علامہ آزاد بلگرامی نے کہا کہ شیدا کے مطلع میں پہلا مصرع اچھا نہیں لگا۔ یہ مضمون یوں بہت اچھا ادا ہوتا ہے ؎

بسکہ میریز دسرشک از دیدۂ گریان من بستہ از خوں چوں پر ماہی بہم مژگان من

معلوم کیونکر یہ مطلع سراج الدین علی خان آرزو تک پہونچا اُنھوں نے کہا کہ ہرگز یہ مطلع شیدا کے مطلع کے برابر نہیں ہے۔ اس زمین میں جس میں شیدا نے مطلع کہا ہے اوسی کا کام تھا۔ دوسرے کا مقدور نہیں اس میں پہلا مصرع دوسرے کی علت نہیں ٹھہر سکتا۔

آزاد کو خان آرزو کی یہ رائے معلوم ہوئی تو انھوں نے یہ اعتراض کیا کہ شیدا کے مطلع کا مصرع ثانی مصرع اولی میں صرف اسی قدر مضمون چاہتا ہے کہ چشم من از بسکہ خوں ریخت ــــ اور اتنے مضمون کے لئے وہ جس قدر عبارت لایا ہے اور جس قدر اس کو اہتمام کرنا پڑا ہے وہ نقاد سخن پر پوشیدہ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ مصرع میں لفظ بنگاشتہ بالکل بے جوڑ ہے۔ کیونکہ نگاشتن کا کوئی سامان موجود نہیں ہے۔ کاش یہ مصرع یوں کہا جاتا ؎

اشک در دیدۂ من تا شدہ راہی از خوں

آرزو کا یہ قول کہ مصرع اول علت مصرع ثانی نمی تواند شد۔ قابل غور ہے۔ کیونکہ شیدا کے مصرع اول میں لفظ بسکہ۔ اور (خوں) موجود ہے اور یہی لفظ خوں بستگی مژگاں کی علت ہے۔ آرزو نے جو دلیل بیان کی ہے وہ مفید مدعا نہیں ہوسکتی اُن کا مدعا یہ ہے کہ دوسرا مطلع شیدا کے مطلع کے برابر نہیں ہے اس کے لئے

چاہیئے تھا کہ مطلع شیدا میں کوئی ایسی حسن تعبیر دکھاتے جو دوسرے مطلع میں نہ ہوتی - آرزو نے صرف دلیل پیش کی ہے - کہ اس زمین میں ایسا مطلع بس شیدا ہی کہہ سکتا ہے اور کسی کی مجال نہیں - یہ دلیل بالکل ناکافی اور بیکار ہے - اس لئے کہ میں نے اسی زمین میں ایک غزل ذو مطلعین کہی ہے

توعبث منکری اے طفل سیاہی ازخوں | برزبان تیغ تو آورد گواہی ازخوں

تاشود کشتۂ آن شوخ سیاہی ازخوں | دامنش رشک چمن باد الٰہی ازخوں

میر اولاد محمد ذکا طال عمرہ کا بھی ایک مطلع ہے ؎

کردۂ دامن خود سرخ کماہی ازخوں | بازاے قاتل بے رحم چہ خواہی ازخوں

میر عبدالقادر مہربان لکھتے ہیں -

بہ چمنم ساختہ آنشوخ سیاہی ازخوں | ہمچو گل داد مرا خلعت شاہی ازخوں

(مولف) علامہ آزاد کی جودت طبع کا جواب نہیں - مگر میرے نزدیک آرزو کا یہ کہنا بھی غلط نہیں کہ شیدا کے مطلع کا جواب نہیں - اس کا دوسرا مصرع اس قیامت کا ہے کہ وہ پہلے مصرع کے سقم کو ظاہر نہیں ہونے دیتا - اگرچہ - پہلے مصرع میں ضرور نگاشتن کے لئے سامان کی کمی ہے - لیکن آزاد کے اس شعر میں ؎

بسکہ میریزد سرشک از دیدہ گریان من | بستہ ازخوں چوں پرماہی ہمہ مژگان من

بڑی کمی ہے - پہلے مصرع میں کہا ہے کہ میری آنکھوں سے سرشک گرتے ہیں - دوسرے مصرع میں کہا ہے کہ مچھلی کے پروں کی طرح میری پلکیں خوں سے جکڑ رہی ہیں - لہذا پہلے مصرع میں سرشک خونی کہا جانا چاہیے تاکہ دوسرے مصرع کے لئے سامانِ برستگی پیدا ہو جائے - ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ سرشک پانی کے ہوتے ہیں اور عام طریقہ سے سرشک پانی کے آنسوؤں کو کہا جاتا ہے - یا محض آنسو کو - لہذا آنسو میں خون کی قید لگانا ضروری تھی کہ مصرع کے لئے مفید ہوتی پہلا مصرع اگر یوں ہوتا تو بہت بہتر تھا -

"اشک رنگیں می چکد از دیدۂ گریان من"

شیدا کے مطلع کا پہلا مصرع اگرچہ صاف نہیں ہے پھر بھی اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ میرے آنسوؤں نے چونکہ میرے رخ کاہی کو خون سے رنگدیا ہے اسی وجہ سے میری مژگان پرماہی کی طرح خون سے لبتہ ہوگئی ہیں اب سمجھئے کہ یہاں سامان نگاشتن کی ضرورت ہی کیا ہے کہ اہتمام کیا جاتا - ضرورت صرف اس بیان کی تھی کہ آنکھوں سے خون بہا - اور وہ موجود ہے کہ آنسوؤں نے رخسار کاہی کو خون سے رنگدیا - تو اس صورت میں تمام نقص رفع ہو گیا -

رہے آزاد - ذکا - اور مہربان اورنگ آبادی کے مطلعے وہ سب اپنی اپنی جگہ پر اچھے ہیں مگر شیدا

کے مطلع کو نہیں پہونچتے - اسی لئے آرزو کا اعتراض ایک قول فیصل ہے جس کے سامنے سرتسلیم خم کرنا چاہئے

مرزا صائب و معترض

صائب کا نام محمد علی تھا اصفہان کا رہنے والا تھا - مذہب سنی رکھتا تھا - زمانہ شباب میں جب جہانگیر کی حکومت نے ہندوستان کو گلزار ارم بنا رکھا تھا ہندوستان آیا - اور اپنے کلام بلاغت نظام سے قدردانان سخن کو محظوظ کرکے اور اپنا سکہ استادی جما کے ۱۰۴۲ھ میں کشمیر ہوتا ہوا اصفہان چلا گیا وہیں ۱۰۸۸ھ میں عالم فانی کو وداع کیا معترض کا حال معلوم نہیں - مگر مولانا آزاد بلگرامی نے خزانہ عامرہ میں لکھا ہے کہ ایک معترض نے مرزا صائب کے اس شعر پر اعتراض کیا -

صائب - سرِ دمن طرح نو انداختۂ یعنی چہ جامہ را فاختہ ساختہ یعنی چہ

معترض - یعنی چہ غلط ہے یہاں صیغہ خطاب لایا جاتا - اور یعنی چہ کہا جاتا -

مرزا صائب نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا

(مولف) جواب نہ دینا غالباً اس بنا پر تھا کہ محاورہ اسی طرح ہے اور محاورہ میں تصرف جائز نہیں - ورنہ واقعاً یعنی چہ صحیح ہے

صائب و آزاد

صائب - سخن بلند چو گردد بوحی مقرون است اُتاقۂ سر مصحف کلام موزون است

آزاد - یہ مضمون نہایت اچھا ہے مگر پہلا مصرع اچھا نہیں لگا ہے - کیونکہ مضمون یہ ہے کہ جو سخن بلند ہوتا ہے وہ مرتبہ وحی پر فائز ہو جاتا ہے - اب دو صورتیں ہیں - یا وہ سخن نظم ہوگا یا نثر - اگر شاعر کی مراد سخن سے نظم ہے - تو کوئی تخصیص نہیں ہو سکتی اس واسطے کہ جو نثر بلند ہو وہ بھی مرتبۂ وحی پر فائز ہو سکتی ہے - بلکہ دیکھئے تو تمام قرآن شریف نثر ہی ہے - نظم تو خال خال ہے - ثبوت میں جو مصرع ثانی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ کلام موزوں کلام منثور سے بلند ہے - اور یہ ظاہر ہے کہ یہاں مدعا اور دلیل میں تطابق نہیں ہے - یہاں دلیل کا اقتضا یہ ہے کہ مدعا کچھ اور ہو - مثلاً یوں کہا جائے ؎

خوش است نثر و لے شان نظم افزوں است گواہ دعوی ما مصحف ہمایوں است

اور اسیطرح اس شعر میں جیسا کہ دلیل کا اقتضا یہ ہے کہ مدعا کچھ اور ہو - مدعا بھی یہ چاہتا ہے کہ دلیل کچھ اور ہو

مثلاً اس طرح۔

سخن بلند چو گردد بوحیٔ مقرون است　　　گو اہ دعویٔ ما مصحف ہمایون است

(مولف) صائب کا مقصد یہ ہے کہ سخن اگر بلند واقع ہو تو وہ وحی سے قریب ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ بسم اللہ کہ وہ موزوں ہے اسی نے قرآن شریف میں چوٹی کی جگہ پائی ہے اور وہی کلغی بنی ہے۔ ورنہ قرآن شریف باوجود اس کے کہ وحی ہے مگر مقرون بوحی بسم اللہ کی طرح نہیں ہے۔ اس صورت میں دلیل و مدعا دونوں مطابق ہیں مولانا آزاد کا اعتراض صحیح نہیں۔ غلطی معنے سمجھنے کی وجہ سے ہوئی ہے مولانا آزاد نے یہ سمجھا کہ جو سخن بلند ہو وہ وحی کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ حالانکہ صائب کا مقصد یہ ہے کہ وہ عالم وحی سے زیادہ قریب ہوتا ہے جیسا کہ بعض محققین کا قول ہے کہ بچہ کا ہنسنا اور خوش ہونا۔ اچھلنا کودنا اس واسطے ہے کہ وہ عالم ارواح سے زیادہ قریب ہے۔ اور جیسے جیسے وہ عمر میں بڑھتا جاتا ہے اسی قدر عالم ارواح سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اور وہ کیفیت فنا ہوتی جاتی ہے۔ باوجودیکہ نوزائیدہ بچہ بھی جنس حیوانی میں تھا اور جوان ہو کر بھی جنس حیوانی میں شامل ہے۔ مگر چونکہ وہ اسوقت اس عالم سے زیادہ قریب تھا اسی لئے اُس میں وہ کیفیات تھیں جو جوانی میں مفقود ہو گئیں۔ اسی طرح گو تمام قرآن شریف وحی ہے مگر قرب وحی کی جگہ بسم اللہ کو حاصل ہے اور یہ بوجہ اس کے موزوں ہونے کے ہے۔ اور چونکہ بسم اللہ ہی قرآن شریف میں سب سے پہلے ہے لہذا مبدء وحی اور مظہر وحی اسکو مانا جائے گا۔ کیونکہ یہیں سے سلسلۂ وحی کا آغاز ہوتا ہے۔

مولانا نے جو دلیل کے لئے دوسرے مدعا کی فراہمی کے واسطے اصلاح دیکر شعر میں مصرع اولیٰ بہم پہونچایا ہے۔ اس میں صائب کا مقصد ادا نہیں ہوتا۔ بلکہ شان اصلاح کے خلاف اصل مقصد سے بالکل دور ہو جانا پڑتا ہے یعنی ؎

خوش است نثر ولے شان نظم فزوں است　　　اتا قۂ سر مُصحف کلام موزوں است

مطلب یہ ہے کہ نثر بھی اچھی چیز ہے۔ مگر نظم اس سے بہت اچھی ہوتی ہے۔ یہ دعویٰ ہے۔ دلیل اسپر یہ ہے کہ قرآن شریف میں بسم اللہ سب سے اوپر ہے۔ اگرچہ پورا قرآن جو نثر میں ہے وہ بھی اچھا ہے۔ ظاہر ہے کہ صائب کا اصل مقصد فوت ہو گیا۔ اور بالکل نیا مضمون پیدا ہو گیا۔ اسی طرح جو مدعا کے لئے دوسری دلیل لائے ہیں ؎

سخن بلند چو گردد بوحی مقرون است　　　دلیل دعوئے ما مصحف ہمایون است

اس میں دوسرا مصرع بالکل مہمل ہے اور کچھ نہیں کھلتا کہ ہمارے دعوے کی دلیل مصحف ہمایوں کیونکر ہے۔ ہاں اس صورت میں کہ یہ کہا جائے کہ سخن خواہ نثر ہو یا نظم اگر وہ بلند ہے تو وحی ہے جیسا کہ قرآن پاک باوجودیکہ تمامتر

نثر ہے مگر چونکہ بلند ہے اس لئے وحی ہے۔ اس میں ایک نقص تو یہ ہے کہ قرآن شریف کے وحی کی دلیل صرف یہ لائی گئی ہے کہ وہ بلند ہے حالانکہ یہ نہیں ہے بہت سی باتیں ہیں کہ جن کی وجہ سے قرآن کا وحی ہونا ثابت ہوتا ہے دوسرے یہ کہ صائب کا جو منشا تھا اس کا اس اصلاح میں بھی کچھ ذکر نہیں۔ ان دلایل کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ مولانا کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

میر وزیر علی صبا و مولوی عصمت اللہ[1]

صبا۔ کولھو میں گردش نگہ یار سے پسا — تل تیل ہو کے بہ گیا چشم غزال کا

〃 شیریں لبوں کے عشق میں ایسی گردش نصیب — کولھو میں عضو تن نہ پڑیں نیشکر کی طرح

اعتراض۔ آپ کے شعر میں کولھو کا لفظ بہت ہے اس کی وجہ نہ معلوم ہوئی۔ دونوں شعروں کو روغن دار کہوں یا حسب محاورۂ جہاں مرغن

جواب۔ جناب آپ ذہن کند ہوتا ہے۔ گستاخی معاف یہ وہی مثل ہے۔ تیلی کا تیل جلے الخ کیا الفاظ نظم محدود ہیں۔ یا یہ کوئی غریب اور غیر فصیح لفظ ہے۔ اور ذرا آپ اپنے اعتراض کی عبارت تو ملاحظہ کیجئے (ان کے شعر میں کولھو کا لفظ بہت ہے) اس کے کیا معنے۔ بہت کو ثابت کیجئے یا اپنی جہالت کے قائل ہوجیے واہ آپ باایں ہمہ اپنے تئیں غیر جہال سے بھی جانتے ہیں۔ آپ کو شرم نہیں آتی۔

(مولف) مجیب خلاف شان تنقید ذاتیات پر اتر آئے ہیں۔ اور وہ باتیں کہہ گئے جو ننگ تنقید ہیں۔

اگرچہ دو شعروں میں کولھو کا لفظ آجانے سے صبا کے اوپر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ اول تو کولھو دونوں جگہ دو معنوں میں آیا ہے۔ ایک جگہ وہ کولھو جس سے تیل نکالا جاتا ہے اور دوسری جگہ وہ کولھو جس میں گنے وغیرہ پیلے جاتے ہیں اس صورت میں اعتراض فضول تھا۔ کم سے کم پانچ سات جگہ تو یہ لفظ

---

[1] میر وزیر علی صبا ولد میر بندہ علی لکھنوی میر اشرف علی نامی لکھنوی کے بھانجے اور خواجہ آتش لکھنوی کے ایک سربرآوردہ شاگرد تھے۔ ۱۲۷۱ھ میں گھوڑے پر سے گر کر راہی فنا ہوئے۔ ایک دیوان موسوم بہ غنچۂ آرزو ان سے یادگار ہے۔ قدیم وضع کے پابند تھے اور اس زمانہ کے رنگ کے موافق اچھا کہتے تھے مولوی عصمت اللہ صاحب شاگرد مولانا عبد الغفور نساخ نے انپر اعتراضات کئے تھے۔ اور مولوی آغا علی صاحب مدرس مدرسہ ریاست محمود بندر نے ۱۸۶۱ء میں ان اعتراضات کے جواب ایک رسالہ موسوم بہ تردید الاعتراضات میں دیئے تھے۔